وتستا کی سیر

(کشمیر کی روحانی، تہذیبی، تاریخی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا عکس و آئینہ)

ڈاکٹر عزیز حاجنی

میزان پبلشرز (رجسٹرڈ)

متصل فائر اینڈ ایمرجنسی سروسز ہیڈکوارٹرس

بٹہ مالو سرینگر

Ph:2470851, Fax : 2457215, Moblie : 9419002212

email:meezanpublishers@rediffmail.com

نام کتاب	:	وتستا کی سیر
نوعیت	:	ریڈیو/ٹی وی ڈرامے کا کتابی روپ
مصنف	:	ڈاکٹر عزیز حاجنی
زیر اہتمام	:	جاوید ماٹجی
قیمت	:	350روپے (تین سو پچاس روپے)
مطبوعہ	:	میزان سروسز
کمپیوٹر کتابت	:	وسیم احمد

میزان پبلشرز (رجسٹرڈ)

متصل فائر اینڈ ایمرجنسی سروسز ہیڈ کوارٹرس

بٹہ مالو سرینگر

Ph:2470851, Fax : 2457215, Moblie : 9419002212
email:meezanpublishers@rediffmail.com

انتساب

رُودِ جہلم

کی طغیانیوں میں

ڈوب کر

شہید ہونے والے

جیالوں کے نام

حرف آغاز

وادیٔ کشمیر حسن قدرت کا ایسا شاندار کرشمہ ہے جس کو بھرپور طریقے پر بیان کرنا انسانی نطق و اظہار کے بس کی بات نہیں ہے۔ مانا کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں دُنیا کے الگ الگ خطوں سے تعلق رکھنے والے حسن شناس سیاحوں، شاعروں، مصوروں اور دیگر تخلیق کاروں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کوہساروں، سبزہ زاروں اور آبشاروں کی اس جنت نما وادی کو الفاظ اور تصویروں کے پیرایوں میں پیش کرنے کی قابل داد کوششیں کیں لیکن حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ کشمیر کی شوخی اور شادابی کو چشم دید اور عیاں جلوؤں میں دیکھنے کے علاوہ پنہاں اور سربستہ گوشوں میں آنکنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے پنوں کو الٹنے اور لوک روایات کو کھنگالنے سے پتہ چلتا ہے کہ عالم آب سے وجود پانے والی یہ جل پری روحانی کمال رکھنے والے ایک رشی کے ذوق جمال اور زور کمال سے وجود میں آئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ چھوٹی سی وادی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں پُرآشوب اور ہنگامہ خیز حالات کی زد میں رہی لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ انسانی قدروں نے یہاں کسی بھی طلاطم خیزی میں دم نہیں توڑا۔ کشمیریوں کا اجتماعی لاشعور آج بھی روحانی اور صوفیانہ روشوں کا غماز ہے۔ اس کا عملی مظہر نہ صرف کشمیر کی تقریباً ہر بستی

میں پائے جانے والے استھاپن اور زیارت گاہیں ہیں بلکہ ہمارے اولیاء کرام، دینی بزرگوں اور صوفی شعراء کی وہ تعلیمات اور عارفانہ کلام بھی جو میرے خیال میں سرزمین کشمیر کا اہم ترین اور انمول سرمایہ ہیں۔ اس بیش بہا سرمایے کی خوشبو سے سلوک وصفا کی دنیا سے شغف رکھنے والے ہزاروں صوفیا اور سالک معطر ہو رہے ہیں۔

خطۂ کشمیر کا فکری، علمی، ادبی اور فلسفیانہ پس منظر بھی کئی اعتبار سے بے نظیر ہے۔ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے دوران کشمیر کا علمی اور ادبی ماحول پوری دنیا کے ادب نوازوں اور علم شناسوں کیلئے باعث کشش بن گیا۔ واسوگپت، ابھنوگپت، ممٹ آنندوردھن اور رتنا کر جیسے دانشوروں اور فلسفیوں نے فکرو دانش کے خزانوں کے ایسے در کھول دیئے کہ پوری دنیا سے علم دوست لوگ فیض حاصل کرنے کیلئے کشمیر کا رُخ کرنے لگے۔ کشمیریوں نے سنسکرت کے گہوارۂ ادب میں اپنے علم وادراک سے قابل رشک اضافہ کرنے کے بعد فارسی زبان کے وسیع دامن میں بھی قیمتی اور پرکشش ہیرے اور جواہرات سجائے۔ کشمیری ادب میں جو عظیم قلم پارے پچھلے سات سو برسوں کے دوران لل دیدؒ اور شیخ العالمؒ سے لیکر عصر حاضر کے پروفیسر رحمان راہی تک قلم کاروں نے تخلیق کئے، اُن کی آفاقیت سے منحرف ہونے کی جرأت کشمیری زبان کے کسی دشمن کو بھی نہیں ہوسکتی ہے۔

کشمیر کی تصویر کے دیگر دلچسپ رنگوں میں فن تعمیر کی شاندار روایات اور دستکاریوں کی دیدہ زیب کاریگری جیسے پرکشش اور نازک رنگ بھی شامل ہیں۔ مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ چھوٹی سی وادی کرۂ ارض پر طلسماتی عجوبے کی مانند ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ سب روحانی، تہذیبی، تاریخی، معاشی اور معاشرتی رنگ جہلم، وبتھ یا وتستا کے کناروں پر ہی نکھرے اور جھلکے ہیں۔ اس حوالے سے کشمیر کی تہذیب کے لئے ''وتستائی تہذیب'' کی ترکیب کو استعمال کرنا برمحل ہوگا۔ دردست کتاب ''وتستا کی سیر'' قاری کو وتستائی تہذیب کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ کرانے کی سعی ہے۔ کتاب کا مسودہ ابتدائی طور پر ایک ریڈیائی فیچر کی صورت میں تخلیق ہوا اور کچھ حذف واضافے اور تکنیکی تبدیلیوں کے بعد یہی مسودہ ٹیلی ویژن کے وسیلے سے لوگوں تک پہنچا۔ اطمینان کی بات

یہ ہے کہ ریڈیو سننے والوں اور ٹی وی دیکھنے والوں نے اس قسط وار دستاویزی کھیل کو بہت سراہا۔ مجھے اپنی سرزمین کی تہذیب اور تاریخ کے سلسلے کو ایک تمثیل کے سانچے میں قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے۔ وہ قارئین میرے اچھے اور سچے دوست ہیں جو اس کتاب میں پائی جانے والی کوتاہیوں کی نشاندہی کریں گے تاکہ دوسرا ایڈیشن شائع کرتے وقت ان غلطیوں کی درستی کی جاسکے۔ میں پروفیسر سیف الدین سوز اور جناب محمد یوسف ٹینگ صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود اس کتاب کے ابتدائیہ کے طور پر اپنے زریں خیالات کو صفحہ قرطاس پر اُتارا۔ میں میزان پبلشرز کے شبیر صاحب کا بھی مشکور ہوں جو یہ کتاب شائع کرانے کے لئے میرے پیچھے پڑے رہے۔ محترمہ رخسانہ جبیں کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔ اُنہوں نے مجھے یہ دستاویزی کھیل لکھنے کیلئے تحریک بھی دی اور اس کا مسودہ کتابی صورت میں شائع ہونے سے پہلے حرف بہ حرف پڑھ بھی لیا۔

عزیز حاجنی

جہلم کی عظمتِ رفتہ کی بحالی

''وتستا'' جسے عرفِ عام میں ''وِبتھ'' اور ''جہلم'' کے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے، کشمیر کی سماجی، روحانی اور تہذیبی زندگی کی ایک زندہ و جاوید علامت ہے۔ ہماری آبادی کا ایک بڑا حصہ اس کے کناروں پر آباد ہے۔ ہمارے کھیتوں کی شادابی اور ہماری اقتصادی خوشحالی کا راز اس دریا کی روانی میں مضمر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ''وبتھ'' کا بہاؤ کشمیر کے فطری حسن کو بھی دوبالا کرتا ہے۔ اس دریا کے ساتھ تاریخ کشمیر کے بیسیوں واقعات، دیومالا اور لوک ادب کے بے شمار قصے اور کہانیاں جڑی ہوئی ہیں۔ یوں تو دریائے جہلم کے بارے میں تاریخی تذکروں کے علاوہ الگ سے بھی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن ''وتستا کی سیر'' کا تمثیلی رنگ، اسے منفرد بھی بناتا ہے اور دلچسپ بھی۔ یہ مختصر سی کتاب قاری کو ''کھنہ بل'' سے ''کھادنیار'' تک جہلم کے کناروں پر آباد تاریخی بستیوں، عبادت گاہوں، زیارت گاہوں، باغات، تاریخی عمارات اور دیگر اہم مقامات کی جانکاری فراہم کرتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب زبان و ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ کشمیر کی تاریخ، تہذیب و تمدن اور قدیم روایات کی ترجمانی کا حق بھی ادا کرتی ہے۔

میں کتاب کے مصنف ڈاکٹر عزیز حاجنی اور پبلشر میزان پبلشرز (بٹہ مالو سرینگر) کو یہ اہم کارنامہ انجام دینے کیلئے مبارکباد دیتا ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ''جہلم'' کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جائے۔ اس ضمن میں غافل لوگوں کی چشم کشائی کے لئے ''وتستا کی سیر'' جیسی کتابیں نہایت ہی کارآمد ہیں۔

سیف الدین سوز
مرکزی وزیر برائے ترقی آبی وسائل

ناشر کی بات

کشمیر کے خوبصورت مناظر ہر دور میں شاعروں، ادیبوں اور قلمکاروں کی دلچسپی کے محور رہے ہیں۔ یہاں کے ندی نالوں، چشموں اور جھیلوں و آبشاروں کو ہر قلمکار نے اپنے اپنے طور الفاظ کا خراج پیش کیا ہے۔ دریائے جہلم وادیٔ کشمیر میں صرف ایک دریا ہی نہیں بلکہ یہاں کی تہذیب وتمدن اور ثقافت اور روایات کا گواہ بھی ہے۔ جہلم کی اہمیت اس لحاظ سے بھی غیر معمولی نوعیت کی ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا شاندار ماضی وابستہ رہا ہے۔ زیر نظر کتاب "وتستا کی سیر" اسی دریا کی کہانی ہے جو وادی کے سرکردہ ادیب اور شاعر ڈاکٹر عزیز حاجنی کی ایک نرالی اور دلچسپ تخلیق ہے۔ "وتستا کی سیر" ڈاکٹر حاجنی صاحب کے قلم سے لکھے گئے اُس ریڈیو اور ٹیلی ویژن ڈرامے کا کتابی روپ ہے جو ریڈیو کشمیر سرینگر اور ٹیلی ویژن سنٹر سرینگر سے 13 قسطوں میں نشر ہو کر لوگوں سے غیر معمولی داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ادب نواز حلقوں میں سے کئی کا اصرار تھا کہ اس نشر شدہ ڈرامے کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اول تو جہلم کے بارے میں ڈاکٹر حاجنی صاحب کی تحریر آج کل کے لوگوں کے سامنے آئے اور دوسری طرف آنے والے لوگوں کیلئے بھی اسے کتابی صورت میں محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر عزیز حاجنی صاحب نے ہمارے ادارے پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تحریر کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی ذمہ داری ہمیں سونپی۔ ہمیں خوشی ہے کہ "وتستا کی سیر" نام کی یہ کتاب ہم آج آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ وتستا کی سیر محض ایک کتاب ہی نہیں بلکہ جہلم جیسے عظیم قومی ورثے کے تعلق سے ماضی کی آئینہ دار ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جہلم کی شانِ رفتہ بحال کرانے میں یہ کتاب ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔

ہم کتاب کے مصنف جناب ڈاکٹر عزیز حاجنی کیساتھ ساتھ دیگر متعلقین کے بھی شکر گذار ہیں جنکی اعانت کتاب مکمل کرنے میں شامل رہی۔ چونکہ ہم معیاری کتب قارئین تک پہنچانے کے وعدہ بند ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت ہمارے وعدے کی بہار ثابت ہوگی۔

شبیر احمد

نگراں میزان پبلشرز، سرینگر

کشمیر کا زندہ رود[1]......دریائے وتستا

دریا زندگی کے نشیمن بھی ہیں اور شاخ نشیمن بھی۔ ان ہی رواں دواں لکیروں کے کناروں پر انسان کی پہلی پہلی تہذیبیں پیدا ہوئیں، پلیں اور پنپیں۔ تہذیب کا پہلا غنچہ میسوپوٹیما......دو دریاؤں کی درمیانی زمین......انسانی دماغ کے حرف کی صورت میں پھوٹا۔ جب اُس نے اپنے اندر کے اندھیروں کو لفظ کی کرن سے روشن کرنے کا آغاز۔ دجلہ وفرات کے خطوط میخی کے کناروں پر انسان نے بھی اپنے سب سے پہلے رسم خط کی اختراع کی۔ دریاؤں کی لہراتی موجوں کی طرح بل کھاتا ہوا ٹیڑھا میڑھا خط میخی یعنی Cuniform۔ اس کے بعد انسان نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ آج اسی خط کی لکیروں نے کمپیوٹر کی بے کرانیوں میں داخل ہو کر مستقبل کے بے پناہ امکانات کے دروازے کھول دیئے ہیں...... بہرحال بات دریا اور انسان کے ربط و رشتے کی ہو رہی تھی۔ انسان کی دوسری عظیم تہذیب رودِ نیل کے کنارے آراستہ ہوئی جس کے اکتسابات کو آج چار پانچ ہزار سال گذرنے کے باوجود پوری طرح بازیافت بلکہ دریافت نہیں کیا جا سکا ہے اور ہر پانچ دس سال کے بعد لکسر اور وادیٔ بادشاہان کے ریتیلے ٹیلے کسی نہ کسی عجائبات کو ابھارتے اور اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ دریاؤں کی زندگی آموز اور زندگی بخش تواریخ میں اگر دریائے نیل سر فہرست ہے تو اس کا سارا کریڈٹ سورج کے پجاری فرعونوں کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ بات اس سے بہت گہری اور بہت لمبی ہے۔ انسان اپنے پہلے خول یعنی نیندرتھال کی کینچلی اُتار کر جب اپنی عقل کا چراغ روشن کر کے سامنے آیا تو اُسے افریقہ سے باہر جانے کی امنگ نے بھی جالیا۔ اقبال نے پنجاب کے دریاؤں

---

1. اصفہان، ایران کے نزدیک بہنے والا دریا۔ علامہ اقبال کے فرزند جاوید اقبال نے اپنے والد گرامی کی سوانح عمری اسی نام کے ساتھ لکھی ہے۔

سے نکل کر اپنے ولایت جانے کا ذکر دریاؤں کی اصطلاح میں کیا ہے ع

توڑ کر نکلوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

لیکن افریقہ کے اس تازہ دم انسان نے شاید نیل کی اسی ریشمی ڈور کو پکڑ کر اوپر کی طرف قدم بڑھائے۔ یہ دریا افریقہ کے شکم سے یوگنڈا کے قرب وجوار میں پھوٹتا ہے اور پھر ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے مصر پہنچتا ہے۔ اس کا سہارا لیتے ہوئے ابتدائی انسان بھی مصر پہنچا تو وہاں اسے اپنی لگن پر لگام لگا کر بہت دیر قیام کرنا پڑا۔ اس لمبے ٹھہراؤ کی وجوہات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ وہاں سمندر ہی سمندر تھے جو اس کے مشرق یا شمال میں جانے کی مزاحمت کر رہے تھے کہ اس نے ابھی اپنی کشتیوں کے بادبان کھولنے کا قرینہ دریافت نہیں کیا تھا۔ اوپر آج کے پورٹ سعید کے پاس خشکی کی ایک تنگ گذرگاہ تھی لیکن اس کو آزمانے کے لئے اس ابتدائی آدمی کو بہت سا وقت رودنیل کے کناروں پر بسر کرنا پڑا اور اسی لمبے قیام نے مصر کی اس شمس تہذیب کا رتھ استوار کر لیا جس پر سوار طوطخ آمون کا سونے کا مجسمہ آج بھی لندن جیسے شہروں میں نمائش کی دھوم مچا کر اپنا لوہا منواتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں اور بڑی بڑی تہذیبوں کا یہ باہمی رَبط و رشتہ ڈھونڈ ھنے کے لئے بڑی کدوکاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہندوستان کی آبِ رود گنگا ہو یا چین کا یانکسی۔ جنوبی ہندوستان کا کاویری ہو یا ماوراء النہر کا سیحون وجیحون۔ انسانی تہذیب انہی کی ٹھنڈی ٹھنڈی کوکھ میں پلی بڑھی۔ آج بھی دنیا کے عظیم تہذیبی مرکز دریاؤں کی ہتھیلی پر ہی اپنا حسن چراغاں سجاتے ہیں۔ لندن دریائے تھیمز کے کنارے، پیرس دریائے سین کے کنارے ریوڈی جینر و دریائے ایمیزان کے کنارے، لاہور دریائے راوی کے کنارے اور علی ہذا القیاس دریا اور انسان کا یہ میل جول تہذیب سے پہلے خود انسانی زندگی کی بقاء کی ضمانت بن کر ہمیشہ قائم رہے گا۔ بقول منیر نیازی

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو

جو ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

کشمیر کی سبز مخملین زمینی پٹی کی زندگی اور شادابی کی ضامن سب سے پہلی علامت کا ذکر کرنا ہو تو ہماری دبتھ، وِتستا یا جہلم کا نام سب سے پہلے آئے گا۔ یہ دریا وادی

کی جنوبی حد کے پہاڑ سے اسی طرح ابلتا ہے جس طرح عورت کے سینے کے اُبھاروں سے ماں کے دودھ کی دھارا پھوٹتی ہے۔ دونوں زندگی کی پرورش اور پرداخت کرتے ہیں۔ وتستا کشمیر کے سارے Bust سے گذر کر جھیل وُلر میں اپنی گاگر انڈیلتی رہتی ہے۔ جس طرح آج سے چالیس پچاس سال پہلے کشمیری گھروں کی بہو بیٹیاں ندی سے پانی بھر کے اپنی گاگروں کو سروں اور کندھوں پر اُٹھا کر لاتی اور گھر کے گڈونجوں پر آسودہ کرتی تھیں۔ جب وبتھ وُلر کے ساگر سے جہلم کی شکل میں اُبھر کر آگے بڑھتی ہے تو یہ اپنا کشمیری 'ڈبجہ ہور' نکال کر پنجاب کا لشکارا بنتی ہے اور جہلم کی شکل میں اپنی صنف تک تبدیل کر دیتی ہے۔ اس کا خرام اب تیز گامی میں بدل جاتا ہے اور اس کی مستانہ چال پہاڑی جھرنے کی اُچھل کود بن جاتی ہے۔ اس کے گھاٹوں پر اب بلہن کی چھیل چھبیلی ناریاں ہنس کھلکھلاتیں اور نہ اس کے پانیوں پر اب کشتوں کی عماریاں ڈھلک سکتی ہیں...... کشمیر میں وبتھ پاروتی کے سروپ میں ایک مست ناز عورت ہے اور کشمیر سے لڑھکتے ہوئے وہ ایک مردانہ خصائل کی مٹیار جہلم بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر عزیز حاجنی صاحب کی زیر نظر تصنیف "وتستا کی سیر" وبتھ کے اس تاریخی سفر کا ماجرا بیان کرتی ہے یہ ایک ریڈیائی سلسلہ وار کی صورت میں اپنا وجود منوانے کے ساتھ ساتھ اس کشمیری دریا کو فوکس کرنے کا کارنامہ انجام دے چکی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کا بنیادی خیال کہیں دور سے بھڑکنے والی چنگاری سے سلگا ہے۔ آج سے بارہ پندرہ سال پہلے بی بی سی یعنی برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے ہماری ہی ریاست کے ایک اور بڑے دریا سندھ کے متعلق ایک سیریل بہت دیر تک نشر ہوتا رہا۔ اس کی اردو سروس میں شیر دریا۔ سندھ دراصل 'سنگھ' کا ہی ایک روپ ہے اور اس کے دھن شیر کے ہیں پشتو میں اس کا نام اباسین ہے۔ یعنی شیر دریا...... واقعہ یہ ہے کہ بی بی سی نے اپنی اعلیٰ روایت کے مطابق اس کی دستاویزی حیثیت کو اُبھارنے اور سامعین کے ذہن پر نقش کرنے کیلئے ہر ممکن ذریعے سے کام لیا...... تبت کے مانسرور سے اس کے اُگنے کے عمل سے لیکر بحیرہ عرب میں اس کے سمندر آغوش ہونے تک اس کے بہاؤ، اس کے زور وشور، اس کی صداؤں اور نداؤں۔ اس کے کنارے کی بستیوں اور شہروں، الغرض اس کے وجود

کے تمام رنگوں کو آواز اور حرف کی صورت میں لوگوں تک پہنچایا اور سچی بات ہے کہ اپنے لمبے، گہرے اور مفہوم آباد موضوع کا حق ادا کر دیا۔ ڈاکٹر عزیز حاجنی کی رگ حمیت بھڑک اُٹھی اور انہوں نے اپنی سرزمین پر رواں دواں جوئے فردوس کو صوت وصدا کے کناروں میں بہنے اور کہنے کا اذن عطا کرنے کا بیڑا اُٹھالیا۔ وِتستا کے ساتھ ایسا پہلی بار نہیں ہوا ہے آج سے کوئی سولہ سو سال پہلے اس کے کناروں پر رہنے والے اور اس کے پانی سے اپنا تن من سرشار کرنے والے اچاریہ برنگیں نے 'وِتستا مہاتایم' جیسی شاندار گاتھا منظوم کی ہے۔ کشمیر میں ہمارے سنسکرت شاعروں نے مختلف موضوعات پر مہاتایموں کا انبار لگایا ہے جن میں زنانہ چھل بل آزمانے والی دامودر گیتا کی "کٹنی مہاتایم" بھی شامل ہے لیکن وِتستا مہاتایم کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ ایسے سارے لٹریچر میں سب سے بڑی ہے۔ ضخامت کے لحاظ سے بھی اور مفہوم و معانی کے پیمانوں سے بھی۔ اچاریہ نے اپنے وقت کی وِتستا، اس کے کنارے کے تیرتھوں، شہروں اور بستیوں سبھی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ دینا ناتھ نادم نے اسی دریا کو نایکہ کا روپ دے کر کشمیری زبان میں اپنا مشہور اوپیرا 'وِتستا' لکھا۔ جس کو کلچرل اکادمی نے بیسویں صدی کے آخر میں ساز و آواز سے سجا کر سارے ملک میں دھوم مچا دی۔

ڈاکٹر عزیز حاجنی صاحب کی زیرِ نظر تصنیف اسی قدیم اور عظیم روایت کی آواز کی لہروں میں تجدید کرتی ہے اور اگر کسی اور اعتبار سے نہیں تو بھی اس بڑی تسبیح کا دانہ بننے کے حساب سے ہی توجہ اور تمنا کا مرکز بن جاتی ہے۔ 'وِیتھ' کے ساتھ کشمیر کی سرسبزی اور شادابی، خوشحالی اور آبادی کا سارا ماجرا اور معاملہ جڑا ہوا ہے۔ کشمیر کی ہر ندی اور ہر نالہ اسی کے بڑے برتن میں اپنا پانی ڈالتا ہے اور کشمیر میں یہی کشتی زرعی اور آبی ٹرانسپورٹ کا ذریعہ رہتا چلا آیا ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہ کشمیر کی آزادی، خود کفالت بلکہ خود مختاری کا بھی سمبل ہے۔ یہ کشمیر کی دھرتی سے ہی شروع ہوتا ہے اور اس کو اس کے وجود سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے زمانے میں دریا اور اُن کا پانی ملکوں کے درمیان کشمکش اور آویزش کا باعث بن گئے ہیں راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگلے زمانے کی جنگیں نہ زمین کیلئے ہوں گی اور نہ زن کیلئے...... نہ پٹرول کے لئے اور نہ قوم پرستی کے لئے۔ وہ پانی کے قطروں کے لئے لڑی جائیں گی۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اگرچہ 1960ء میں نہری پانی کا سمجھوتہ ہو چکا ہے لیکن قرائن ایسے ہیں کہ اس پر قیل و قال کے بعد جنگ و جدال کو بھی زیادہ دیر ٹالا نہیں جا سکتا۔ خود ہندوستان میں پانی کے جھگڑوں نے بحرانی صورت اختیار کی ہے۔ پنجاب، ہریانہ اور راجستھان کے درمیان جھگڑا، کرناٹک اور تامل ناڈو کے درمیان جھگڑا اور آنے والے دنوں میں اس کی شدت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان اور چین کے درمیان سطح پر تو سرحد کا جھگڑا ہے لیکن اندر ہی اندر پانی کی لہریں تلاطم مچا رہی ہیں۔ شمالی ہندوستان کے تقریباً سبھی دریا چین کی نوآبادی یعنی تبت سے ابھرتے ہیں...... جمنا، ستلج، بیاس، سندھ، برہم پتر وغیرہ...... ایک گنگا ہمالیہ کی جنوبی سمت یعنی گؤمکھ اور گنگوتری سے اُگتا ہے اور اسی لئے ہندوستان کے دھرم کا بھی رکھوالا بن گیا ہے اور اس کی قومیت کا نشان بھی...... ہندوستان کو اندیشہ ہے کہ چین کچھ اور دریاؤں خاص طور تبت سے بڑے دریا برہم پترا کا رُخ موڑ کر اسے پیاسا بنا سکتا ہے اور اسلئے اندر اندر سے ہی معاملات کی ٹوہ لے رہا ہے یہی حال پاکستان اور ہندوستان کا ہے۔ مغربی ماہرین کا کہنا ہے کہ کشمیر کا بہانہ ہی بہانہ ہے پاکستان کو اصل اندیشہ ہے کہ وہ جہلم، چناب اور راوی جیسے دریاؤں کا رُخ بدل کر اسے بے آب اور بے تاب کر دے گا...... ان حالات میں وادی کشمیر کا اپنا دریا جو اس کے دامن سے ہی اُگتا ہے اس کی آزادی اور خودمختاری کا پرچم بن جاتا ہے اور پھر کشمیر کی ساری تواریخ پر نظر ڈالئے اس کے سنہری باب اسی کے کنارے لکھے گئے۔ اشوک اعظم نے ماقبل تاریخ وتستا کے کنارے ہی اپنا شہر پران ادھشٹان بسایا اور یہیں سے بدھ کے پیغام کو سارے ایشیا میں عام کرنے کی مہم شروع کی۔ للتادتیہ کا پرہاسپور اُس وقت تک قہقہے لگا کر ساری سلطنت کو زعفران زار بنا تا رہا جب تک وتستا اس کے بلند کناروں سے لپٹی رہی اور اس کی موجیں اُن کے ساتھ چہلیں کرتی رہیں لیکن جب ایک صدی کے بعد اونتی ورمن کے ہُنڈِس سُیاے اس کا راستہ بدل کر اسے دور پھینک دیا تو پری ہاسپور اُجڑ گیا اور تب سے کشمیر کی عظمت کا یہ باب کھنڈر کی صورت میں اپنی عمارت کے عظیم ہونے کا نوحہ پڑھ رہا ہے۔ اسی طرح اونتی ورمن کا دور بھی وتستا کے کنارے اپنے بال و پر نکالتا رہا۔ پھر زین العابدین بڈشاہ نے اپنے نئے شہر کو اسی دریا پر زینہ کدل تعمیر کر کے وسیع تر کر دیا بعد میں خود

بھی اسکے کنارے پر خواب ابد میں سو گیا۔ مغلوں کے زمانے میں کشمیر کے شیخ الحدیث شیخ یعقوب صرفی بھی اسی کے کنارے آسودہ ہیں۔ کشمیر میں اسلام کی روشنی کی صبح اسی کے کنارے بلبل شاہ صاحبؒ کی زیارت کے نزدیک ہوئی اور اسکا عروج بھی اسی کے کنارے حضرت شاہ ہمدانؒ کی خانقاہ کی صورت میں ضوافگن ہوا۔ مغلوں نے اپنی پہلی سنگین عمارت بادشاہی مسجد اسی کے کنارے بنائی اور یوسف شاہ چک اور حبہ خاتون نے اپنا دارالخلافہ اسی کے کنارے باغ یوسف شاہی[1] کو بنایا بعد میں افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں نے شیر گڑھ میں اپنے ظلمت کدے آراستہ کئے لیکن انگریزوں نے ایمپوریم باغ کے نزدیک اپنی ریذیڈنسی قائم کر کے اسی دریا کا سہارا لیا۔ سچی بات یہ ہے کہ انگریزوں نے ڈوگرہ راج کی ستم رانیوں پر بڑی حد تک روک لگائی اور ان کے ہی جلو میں کشمیر میں نئے علوم و فنون کی کرنیں آئیں۔ اس طرح سے وِتستا کے کنارے ایک تاریخی اور ادبی منظر کو اُبھار کر اس دریا کی شان اور اسکی عطا کے کتنے ہی دریچے کھول دیتا ہے۔

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر عزیز حاجنی ہمارے ریسرچ سکالروں کی نئی پیڑھی میں بہت ممتاز ہیں وہ ایک شاعر بھی ہیں اور نثر بھی لکھتے ہیں۔ وہ ایک تنظیم ساز ہیں اور کشمیر کی سب سے اہم اور استقلال آشنا ادبی تنظیم ادبی مرکز کمراز کے مستعد اور چاق و چوبند ناظم لیکن ان کے امتیاز کا یہ صرف ایک جز ہے۔ انہوں نے نئے تفریحی اور تبلیغی ذرائع جو بجلی کی لہروں پر سوار ہو کر گھروں بلکہ ذہنوں میں داخل ہوتے ہیں کو اپنی تخلیق کاری کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے ٹیلی ویژن کیلئے کشمیر کے ادیبوں اور تمدنی نعتوں کے لئے پہلی تعارفی اور تجزیاتی فلمیں بنائیں۔ ان کی برقیاتی وسیلہ کے لئے اظہار کے ساتھ یہ وابستگی اور پیوستگی مختلف پیرایوں میں جاری ہے اور کشمیری ادب و ثقافت کیلئے یہ جھروکے کھولنے کیلئے ان کا نام اس کے اولین پیش کاروں کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا اُن کی تازہ تصنیف سے ان کی کارفرمائی کی ایک اور جہت نظروں کے سامنے آتی ہے۔

محمد یوسف ٹینگ

---

[1] باغِ یوسف شاہی شیخ کدل اور حبہ کدل کے درمیان وتستا کے مغربی کنارے پر تھا اور یہیں پر یوسف شاہ چک کا محل تھا۔ اس کے چند آثار وغیرہ کی دریافت نے معاملے کی تصدیق کی ہے۔

وتستا کی سیر!

قسط 1

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	حیدرصاحب	65سال
4	شبنم	25سال
5	خوشبو	24سال
6	ایک شخص	60سال
7	دوسرا شخص	55سال
8	تیسرا شخص	55سال

پہلا منظر/ا

(ایک سجے سجائے کمرے میں بلقیس (دُلہن) کی رُخصتی کا سماں ہے۔
سہیلیاں اُسے سسرال روانہ کرنے کیلئے تیار کررہی ہیں۔ پس منظر میں شادی
کے گیت (ونہ وُن) گائے جانے کا تاثر اُبھر رہا ہے۔)

دوسرا منظر

(ایک اچھے خاصے مکان کا باہری نظارہ۔ پھولوں سے سجائی ہوئی موٹر کار۔
لوگوں کا ایک ہجوم۔ عورتیں شادی کے گیت (ونہ وُن) گا رہی ہیں۔)

پہلا منظر/ب

(بلقیس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور دیگر عزیز و اقارب بھی اُسے
وداع کرتے ہوئے رو رہے ہیں)
ایک شخص (روتے ہوئے) چلو اب بیٹی چلو۔ دولہا باہر انتظار کر رہا ہے۔
چلو نا۔ بسم اللہ
(بلقیس مکان سے باہر لائی جارہی ہے)

دوسرا منظر/ب

دوسرا شخص: آج حیدر صاحب زندہ ہوتے تو اُن کی آنکھوں سے بھی خوشی کے آنسو نکل آتے۔

تیسرا شخص: بلقیس اُن کو اپنی جان سے بھی پیاری تھی۔ خیر تقدیر کے معاملات میں انسان بے بس ہے۔

(بلقیس پیش منظر میں پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے)

ایک شخص: خدا کے حوالے بیٹی۔ اللہ تمہیں سدا سکھی رکھے۔ تمہارے لئے ہر دن عید اور ہر رات شب برات بن کر آئے۔

(بلقیس آگے بڑھتی ہے)

تیسرا منظر

(قیصر کے گھر کا منظر۔ دُلہن کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پلنگ سجایا جا رہا ہے اور سماوار میں زعفرانی قہوہ بن رہا ہے)

چوتھا منظر

(قیصر (دُلہا) اور بلقیس (دُلہن) پھولوں سے سجائی ہوئی موٹر کار میں لئے جا رہے ہیں۔ دریائے جہلم (وتستا) کے کنارے کے متصل واقع سڑک سے گزرتی ہوئی موٹر کار سے بلقیس جہلم کی روانی کو تک رہی ہے۔ قیصر بیچ بیچ میں اُس کی طرف نظر گھماتا ہے لیکن وہ بدستور جہلم کی جانب دیکھ رہی ہے)

پانچواں منظر

(سجے سجائے کمرے میں بلقیس کے داخل ہونے کا منظر پیروں کے کلوز اَپ Close up شارٹوں سے منعکس کیا جائے گا)

چھٹا منظر

(کیمرا دریائے جہلم کو ایک لمبے شارٹ (long Shot) پر منعکس کرنے کے بعد گھماؤ شارٹ (Panning Shot) کے ذریعے شبنم پر فوکس ہوگا)

شبنم: (دریا کو تکتی ہوئی کوئی گیت گاتی ہے اور پیچھے سے خوشبو آجاتی ہے اور شبنم کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہے)

خوشبو: بولو گی کہ کون ہوں میں............؟

شبنم: اب خوشبو کے بغیر کون ہو سکتی ہے......بلقیس تو چلی گئی......

خوشبو: بلقیس کی بہت یاد آتی ہے......اُس کے جانے سے جیسے میری جان ہی نکل گئی۔

شبنم: ہاں یہاں تو ہماری یہ حالت ہے اور وہاں پتہ ہے......وہ اپنے دولہا میاں کے ساتھ خوشیاں منا رہی ہوگی......اس کو ہماری یاد تک نہیں آئے گی اب۔

خوشبو: کیا بات کر رہی ہو پگلی۔ مجھے لگتا ہے کہ تمہیں بلقیس پر رشک آرہا ہے۔ کوئی بات نہیں تمہاری شادی بھی جلد ہی ہو رہی ہے۔ یوں بے قرار کیوں ہو رہی ہو؟

شبنم: (خوشبو کا گلا پکڑتے ہوئے) میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی (دونوں ہنستے ہیں)

خوشبو: ایک بات کہوں......

شبنم: ہاں ضرور مگر صرف ایک ہی بات۔ قینچی کی طرح زبان چلاتی نہیں رہو گی۔

خوشبو: اچھا بابا ٹھیک ہے۔ میں نہیں بولوں گی۔

شبنم :روٹھونا میری جان............ بولو...... تمہیں میری قسم، کس کی یاد آتی ہے؟
خوشبو :(سر اوپر اٹھاتی ہوئی) بلقیس کی......
شبنم :بلقیس بھی ضرور ہمیں یاد کرتی ہوگی۔ ہمیں تو بھول بھی سکتی تھی لیکن وتستا کو کہاں بھولے گی وتستا ہماری کامن فرینڈ ہے نا۔

ساتواں منظر/ا

(قیصر اور بلقیس سجے سجائے کمرے میں)

بلقیس :وتستا میری جان ہے اس کے بغیر میں جی نہیں سکتی ہوں۔ (قیصر ہنستا ہے)
بلقیس: آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟...... میں تھوڑی ہی کوئی مذاق کر رہی ہوں۔ میں جو کہہ رہی ہوں آئی مین اِٹ۔
قیصر :جانداروں کے ساتھ انسانوں کی دوستی کی کہانیاں میں نے سنی تھیں لیکن یہ بے جان دریا کے ساتھ دوستی کا ماجرا کچھ نیا سا، کچھ عجیب سا لگتا ہے۔
بلقیس : کمال ہے آپ میری جاندار اور شاندار وتستا کو بے جان سمجھتے ہیں۔ دراصل آپ انجینئر لوگوں کی نظریں صرف لوہے اور سیمنٹ کی طرف لگی رہتی ہیں۔ فطری حسن کیا چیز ہے اس کی طرف آپ کی توجہ ہی نہیں جاتی۔
قیصر :نہیں ایسی بات نہیں ہے لیکن یہ گندے پانی کا دریا......
بلقیس :آپ کو پتہ ہے کہ یہ گندے پانی کا دریا کیا چیز ہے۔ یہ ہماری تاریخی، روحانی اور سماجی زندگی کی علامت ہے۔ اس دریا کے ساتھ ہمارا ماضی جڑا ہوا ہے۔ اس کی روانی ہمارے حال کی ترجمان ہے اور اس کی لہروں کے اُتار چڑھاؤ میں ہمارے مستقبل کی آگہی ہے۔ مگر یہ سب...... یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے نظر چاہئے...... وہی نظر جو قدرت نے اباجی کو عطا کی تھی۔
قیصر :میں نے سنا ہے کہ اُن کو اس سبجیکٹ کے ساتھ خاصی دلچسپی تھی۔
بلقیس :مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونا بظاہر کوئی سبجیکٹ نہیں ہے۔ یہ انسان کے

مزاج پر منحصر ہے۔

قیصر : (مسکراتے ہوئے) ورنہ اباجی بھی میری ہی طرح ریت اور سیمنٹ کے فیلڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ٹھیکیدار تھے اور میں انجینئر ہوں۔

بلقیس :ٹھیکیدار ہونے کے ساتھ ساتھ اباجی ایک ہنرمند شکاری بھی تھے۔ شکار کھیلنے کے مشغلے میں وہ کشمیر کے اطراف واکناف کی سیر کر چکے تھے۔ ان کے مشاہدہ اور تجربے میں کچھ ایسے اقعات تھے جن کو سن کر انسان چونک جاتا تھا۔

قیصر :ذرا ہمیں بھی ایسے دو چار چونکا دینے والے واقعات سنائیے۔

بلقیس : کتنا سناؤں۔ انہوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔

قیصر :آپ کی سہیلی وتستا کے بارے میں کیا کہتے تھے وہ؟

بلقیس :وتستا کے ساتھ ان کو خاصی دلچسپی تھی۔ وہ اسے کشمیر کی تہذیب وتمدن کی زندہ و جاوید علامت سمجھتے تھے (جہلم کے مناظر سکرین پر منعکس ہوتے رہیں گے)

قیصر : کچھ دلچسپ دلچسپ سنائیے نا جو وہ کہتے تھے۔

بلقیس :وہ سچ مچ کچھ عجیب اور دلچسپ باتیں بتاتے تھے۔

قیصر :مثلاً

بلقیس : کہتے تھے کہ پہلے یہ دریا آج کی طرح شمال کی طرف نہیں بہتا تھا بلکہ اس کے بہاؤ کا رُخ جنوب کی جانب تھا پھر پیر پنچال وجود میں آیا اور جہلم کے بہاؤ کا رُخ بھی بدل گیا۔

قیصر :اچھا یہ تو واقعی زبردست بات ہے۔

بلقیس :اکثر لوگوں کے لئے ناقابل یقین بھی۔

قیصر :واقعی۔ خیر یہ سب ایک دم تو نہیں ہوا ہوگا!

بلقیس :ایک دم نہیں ہوا، علم ارضیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ پیر پنچال کے وجود میں آنے سے وادی میں بہت پانی جمع ہوگیا، جس سے اس وادی نے ایک جھیل کی شکل اختیار کرلی جو "ستی سر" کہلائی۔

قیصر : "ستی سر" کے بارے میں، میں نے سنا ہے کہ اس کا پانی کشپ ریشی نے اپنے روحانی کمال سے کھادنی یار کے مقام پر نکلوایا تھا۔

بلقیس : ہاں یہ بھی کہا جاتا ہے بہر حال یہ ایک لمبی داستان ہے۔ وتستا کے حوالے سے ایک ایک بات تحقیق طلب بھی ہے اور توجہ طلب بھی۔ مجھے یاد ہے جب ابا جی زندگی کے آخری ایام میں علیل تھے تو مکان کے صحن میں بستر پر لیٹے ہوئے بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ عبدالاحد آزاد کی نظم 'دریا' کے اشعار گا رہے تھے۔

آٹھواں منظر

(فلیش بیک)

(ایک خوشنما باغ، حیدر صاحب بستر میں بیٹھے ہوئے یہ اشعار گا رہے ہیں)

جگر چھُس سنگرن کتران رفتارس سو گرمی چھُم
مدن وارن بدن ناوان اطوارن سونرمی چھُم
سبز رتے لول چھُم برگ برگ ورن پچن ولَن اندر
یو ان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر

بلقیس : ابا جی......آپ پھر

حیدر صاحب: ہاں......اچھا نہیں لگتا بالکل خاموش رہنا

بلقیس : ابا جی آپ بیمار ہیں۔ ڈاکٹر نے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا ہے اور آپ......

حیدر صاحب: اور میں اونچی آواز میں گا رہا ہوں اور پھر آپ کو اس کے معنی سمجھا رہا ہوں (ہنستا ہے)

بیٹے آپ کو معلوم ہے میں نے اپنی پوری زندگی شکار اور سیر سپاٹے میں گزاری۔ اب جب زندگی اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے تو میں ان چیزوں کو کیسے بھول سکوں گا۔ عمر تو انہی چیزوں کے سہارے گزاری ہے۔

بلقیس :ابا جی......یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ میں آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں جی سکوں گی (روتی ہے)

حیدر صاحب: (بلقیس کو تسلی دیتے ہوئے) بیٹا موت زندگی کا انجام ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے فنا ہونا ہی ہے "کل نفس ذائقة الموت" بہرحال مجھے ایک اطمینان ہے کہ تم میری صالح اولاد ہو۔ اُس قیمتی اثاثے کی قدردان ہو (جذباتی ہوکر) جو میں نے بڑی مشکل سے اکٹھا کیا ہے۔

(بلقیس روتی ہے)

حیدر صاحب: اچھے بچے روتے نہیں۔ دیکھو بیٹا میں نے کچھ نادر تصویریں جمع کی ہیں۔ اس کے علاوہ تمہیں معلوم ہے کہ ہماری ٹیپ لائبریری میں کچھ اچھی خاصی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس ہیں جن میں کشمیر کے ثقافی ورثے کے بارے میں بہت کچھ صدا بند اور عکس بند کیا ہوا ہے، ان کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔

(حیدر صاحب زور زور سے کھانستے ہیں)

بلقیس :ابا جی......ابا جی...........

حیدر صاحب: گھبراؤ نہیں بیٹا مجھے کچھ نہیں ہونے والا، بالکل کچھ نہیں۔

بلقیس :ابا جی......

حیدر صاحب: جی میرے بیٹے ذرا اس ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دباؤ......ہاں دباؤ نا......

(بلقیس بٹن دبا دیتی ہے اور 'وبتھ اَیہ مہرنی سونیے'.....نغمہ بجنے لگتا ہے)

حیدر صاحب: اور وتستا دُلہن بن کے ہمارے گھر آ گئی

(حیدر صاحب جھومنے کی کوشش کر رہا ہے)

ساتواں منظر/ب

(فلیش بیک ٹوٹ جاتا ہے)

بلقیس :اس کے صرف ایک ہفتہ بعد ابا جی رحلت کر گئے۔

قیصر : چھوڑ دو اب یہ ساری پریشانیاں یہ سارے غم۔ ہمارے سامنے پہاڑ جیسی زندگی کھڑی ہے۔ ہمیں اسے خوشی خوشی سر کرنا ہوگا۔

بلقیس :انشاءاللہ.........توسنیں ایک نغمہ۔

قیصر :نیکی اور پوچھ پوچھ (بلقیس سی ڈی پلیئر کا بٹن دبا دیتی ہے اور کہتی ہے)

بلقیس : چند لمحوں کیلئے آنکھیں بند کرو اور یہ نغمہ سنو......ماضی کی حسین یادوں میں کھو جائیں گے آپ۔

(ایک رومانوی نغمہ یہ نغمہ بلقیس اور قیصر پر فلیش بیک تکنیک کا استعمال کر کے فلمایا گیا ہوگا)

(فلیش بیک ٹوٹ جاتا ہے.....نغمہ ذرا سا دھیما پڑتا ہے اور بلقیس بٹن پھر دبا دیتی ہے۔

قیصر :(بلقیس سے پیار کرتے ہوئے) اب میری دلہنیا مجھے یہ بتایئے کہ کہیں تم ہی وتستا کے روپ میں میرے گھر نہیں آئی ہو۔

بلقیس :کیا بچوں جیسی حرکتیں کرنے لگے۔

قیصر :کہا ہے نا کسی شاعر نے۔

کھلونے دیکھ کر بچہ مچل جائے تو کیا کیجئے

بلقیس :اچھا..........مجھے آپ نے کھلونا سمجھا ہے۔ اچھے ہو......بہت اچھے ہو...... ......(روٹھ کر چلی جاتی ہے)

دسواں منظر

(شبنم اور خوشبو سڑک کے کنارے باتیں کرتے ہوئے)

شبنم :اچھے تو وہ دونوں ہیں لیکن بلقیس ذرا فلسفی ٹائپ کی لڑکی ہے نا......

خوشبو :اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ ایم ایس سی جغرافیہ میں فسٹ کلاس فسٹ اور اس کے علاوہ طرح طرح کی کتابیں، میگزین اور اخبارات پڑھتی رہتی

ہے۔

شبنم : قیصر صاحب بھی کیا کم ہیں۔انجینئر ہیں انجینئر...... تمہیں پتہ ہے کہ انجینئر کیا چیز ہوتی ہے۔

خوشبو : ہاں پتہ ہے، اب ہو جاؤ جلدی تیار...... بلقیس کے پاس چلنا ہے۔

گیارہواں منظر

(بلقیس دی ویلی آف کشمیر نامی کتاب بغور پڑھ رہی ہے)

قیصر : ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر بال ٹھیک کرتے ہوئے

ہاں جی : ......آج کتابوں میں کھو گئی ہو..................

(مڑ کر) کسی ناول کے کرداروں کے ساتھ گھل مل گئی ہو کیا؟

(بلقیس پڑھتی جا رہی ہے)

قیصر : (بلقیس کے نزدیک جا کر) میری پیاری دُلہنیا........... زندگی میں یہ دن بار بار نہیں آتے ہیں۔آج یہ کتاب بند نہیں رکھ سکتی ہو (کتاب بند کر دیتا ہے)

بلقیس : آپ کو پتہ ہے یہ کون سی کتاب ہے۔

قیصر : ہاں ہاں (کتاب کے ٹائٹل کی طرف دیکھ کر)

دی ویلی آف کشمیر "یہ وادیٔ کشمیر"

(بلقیس ہنستی ہے)

قیصر : یہ ہنسی کس بات پر، میں نے غلط بولا کیا۔

بلقیس : نہیں غلط نہیں بولے آپ لیکن مجھے لگتا ہے کہ آپ نے آج تک اس کتاب کا نام تک نہیں سنا ہے۔

قیصر : ٹھیک ہے۔نہیں سنا ہے اس میں بھی کون سی بات ہے ہنسنے کی۔

بلقیس : سر والٹر لارنس کی یہ شہرۂ آفاق کتاب کشمیر اور کشمیریوں کے بارے میں لکھی گئی ہے اور اس میں ہماری سماجی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کا خاکہ ایک ایسے انداز

میں کھینچا گیا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

بارہواں منظر

(شبنم اور خوشبو قیصر کی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے۔)

خوشبو: پتہ نہیں کہ کیا کر رہی ہوگی اس وقت بلقیس رانی۔

شبنم: میاں بیوی پیار محبت کی باتیں کرتے ہوں گے اور کیا کرتی ہوگی۔

خوشبو: مجھے لگتا ہے کہ بلقیس یا تو کوئی پینٹنگ دیکھتی ہوگی یا کوئی گانا سنتی ہوگی یا پھر کسی کتاب کے پیچھے پڑی ہوگی۔

شبنم: تمہارا اندازہ غلط............وہ فی الحال یہ سب چیزیں بھول گئی ہوگی۔

گیارہواں منظر/ب

(قیصر اور بلقیس پہلی ہی پوزیشن میں)

بلقیس: یہ سب چیزیں اتنی جلدی سے بھول جانا میرے لئے اتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں اور پھر یہ سب اچھی عادتیں ہیں۔

Why to avoid them !

قیصر: لیکن اگر مجھے لگے کہ ان سب چیزوں کی وجہ سے میں ایوئیڈ Avoid ہو رہا ہوں تو............

بلقیس: No, NO: ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

(بلقیس، قیصر کے قریب جانے لگتی ہے اور دروازے پر بیل بجتی ہے)

قیصر: یس پلیز Yes Please

(شبنم اور خوشبو اندر آتے ہیں)

بلقیس: ہلو............(قیصر باہر چلا جاتا ہے)

(بلقیس دونوں سہیلیوں کو گلے لگا لیتی ہے)

شبنم : کیسی ہو............(ہنستی ہے)

بلقیس : (ہنستی ہوئی) بہت اچھی ہوں۔

خوشبو : قیصر صاحب کیسے ہیں؟

بلقیس : بے حد اچھے ہیں، آپ کیسی ہیں؟

شبنم : (مذاق کرتے ہوئے) ہمیں تو کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ہم ویسی ہی ہیں جیسی تھیں۔

بلقیس : چھوڑو یہ فضول کی باتیں، بتاؤ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟

خوشبو : ہاں سب ٹھیک ہیں اور آپ کو یاد کرتے ہیں۔

بلقیس : میری وتستا کیسی ہے؟

شبنم : وتستا کو تو نے اپنے ساتھ ہی لایا ہے۔ تو نے نہیں دیکھا، اس مکان کے بالکل نزدیک سے وتستا بہہ رہی ہے۔

بلقیس : وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن زنجیروں میں جکڑی ہوں نا ورنہ میں کب کی چلی گئی ہوتی اپنی وتستا سے ملنے کیلئے

خوشبو : یہ کونسی زنجیریں پہنا دی گئی ہیں تمہیں،

بلقیس : شادی کی زنجیریں...... یہ ہلکی نہیں ہوتی ہیں

(سب ہنستی ہیں)

تیرھواں منظر

قیصر باغ میں ٹہلتا ہوا اور بلقیس کھڑکی پر کھڑی نظریں باہر کی طرف جمائے ہوئے صدا بند نغمے کو پس منظر میں چلایا جائے گا اور پیش منظر میں موزوں اداکاری ہوگی۔

قیصر زینوں سے اوپر چڑھتا ہے۔)

(نغمے کی آواز ایک دم بند ہو کر بلقیس پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے)

بلقیس :آپ نے آف کیا؟
قیصر :ہاں
بلقیس :کیوں؟
قیصر :مجھے تمہارے ساتھ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔
بلقیس :ضروری باتیں..........ٹھیک ہے بتایئے۔
قیصر :اب اللہ کے فضل سے ہماری شادی ہوگئی
بلقیس :ہنستی ہوئی) کہیئے کہ من کی مراد پوری ہوگئی۔
قیصر :بالکل.....اب میں تمہیں ایک ایسی بات بتانے جارہا ہوں جو سن کر تم بہت خوش ہوجاؤ گی۔
بلقیس :جلدی بتایئے۔
قیصر :ہم ہنی مون کا پروگرام ترتیب دیں گے۔
بلقیس :بہت اچھا.....بتایئے کیا پروگرام ہے؟
قیصر :میں نے سوچا ہے کہ اپنی پیاری دُلہنیا کو گوا لے چلوں گا.....کیسا Idea ہے؟
بلقیس :(ذرا تفکر کر کے) ویسے خراب بھی نہیں ہے۔
قیصر :ہونہہ..........مجھے یقین تھا کہ تم یہ Idea سن کر اُچھل جاؤ گی بہت خوش ہو جاؤ گی لیکن..........
بلقیس :لیکن بچہ کھلونے دیکھ کر بھی مچل نہ جائے تو کیا کیجئے۔
قیصر :پھر وہی فلسفیوں والی باتیں۔ دراصل تم پر جہلم نے ایسا جادو کیا ہے کہ تمہاری زندگی بہت محدود ہوکر رہ گئی ہے۔
بلقیس :نہیں حضور.....ایسی بات نہیں ہے۔ میرے بھی جذبات ہیں، میرے شوق بھی ہیں اور میری تمنائیں بھی۔
قیصر :پھر تم ہنی مون کا Proposal سن کر خوش کیوں نہیں ہوئی؟
بلقیس :زیادہ خوش اس لئے نہیں ہوئی کہ اس سلسلے میں، میں نے اپنے ذہن میں کچھ دوسری نوعیت کا منصوبہ بنایا تھا۔

قیصر :بتاؤ تو صحیح۔

بلقیس :میں وِتستا کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔

قیصر :(ہنستا ہے) وتستا کی سیر.......... چل دریا میں ڈوب جائیں۔

بلقیس :آپ مذاق میں میری بات کو ٹال نہیں سکیں گے۔

قیصر :ٹال مٹول کا تو سوال ہی نہیں لیکن یہ سیر کیسے کی جاسکتی ہے۔

بلقیس :میں رمضانہ کو بلا لوں گی۔

قیصر :یہ رمضانہ کون ہے؟

بلقیس :ابا جی کا ذاتی بوٹ مین Boat Man۔ وہ جب کہیں بھی آبی سفر پر جاتے تھے تو رمضانہ ہی بوٹ مین ہوتا تھا۔

قیصر :اُسے کرنا کیا ہے؟

بلقیس :وہ ہمیں کھنہ بل کے مقام پر ایک خوبصورت شکارے میں بٹھائے گا وہیں سے ہمارا ہنی مون کہیئے یا آبی سفر شروع ہو جائے گا۔ پھر پتہ ہے (خوشی سے جھوم کر) ہم مل کر وتستا کے کناروں پر آباد کشمیر کے تاریخی مقامات، خانقاہیں، باغات، منادر، مسجدیں اور بستیاں دیکھیں گے، آپ کو پتہ ہے کتنا مزا آئے گا...........

قیصر :It is really fantastic لیکن یہ کھنہ بل سے کھادنی یار تک کا سفر دنوں میں طے نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے مہینے درکار ہوں گے۔

بلقیس :ہنی مون تو زندگی میں ایک ہی بار منایا جاتا ہے اور پھر یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے۔ میں آپ کو آسمان سے تارے توڑ کر لانے کیلئے تھوڑی ہی کہہ رہی ہوں۔

قیصر :وہ بھی کہو گی میں نا نہیں کر سکوں گا۔

(قیصر بلقیس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس سلسلہ وار دستاویزی ڈرامے کی پہلی قسط اختتام کو پہنچتی ہے)

○□○

وِتستا کی سیر!

قسط: 2

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	طارق احمد	25سال
4	طاہرہ	23سال
5	حیدر صاحب	65سال

پہلا منظر

کیمرا ویری ناگ کے اوپری مناظر سے گھوم کر بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا۔ دونوں میاں بیوی باتیں کرتے ہوئے چل رہے ہیں)

بلقیس: یہی ہے دریائے جہلم کا معروف منبع چشمہ ویری ناگ

قیصر: (مسکراتے ہوئے) ہاں یہی ہے وہ چشمہ جو میں آج تک تقریباً دس بار دیکھ چکا ہوں۔

بلقیس: دیکھا تو ضرور ہوگا لیکن دیکھنے اور دیکھنے میں بہت فرق ہے۔

قیصر: فرق ہو سکتا ہے۔

بلقیس: اکثر لوگ ان دلکش مقامات کو دیکھنے کے لئے محض سرسری طور آتے ہیں اور کھان پان کر کے چلے جاتے ہیں۔

قیصر: اور کچھ لوگوں کا مقصد یہاں آکر بال کی کھال اُتارنا ہوتا ہے۔

بلقیس: آپ مجھ پر یہ طنز کیوں کرتے ہیں؟

قیصر: طنز اور وہ بھی اپنی پیاری پیاری بلقیس پر۔ ہو ہی نہیں سکتا۔

بلقیس: حسن قدرت کے تئیں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ کرنا میری کمزوری ہے۔

قیصر: یہی کمزوری تمہاری خوبی بن جاتی ہے۔ یقین کروں گی تو مجھے تمہاری یاداشت، تمہاری واقفیت اور تمہارے علم پر رشک آتا ہے۔

(بلقیس قیصر کو گھور گھور کر دیکھتی ہے)

قیصر: خیر چھوڑ دو یہ فضول کی بحث، مجھے اب اس اہم تاریخی اور سیاحتی مقام کے بارے میں کچھ بتاؤ..... (بلقیس کچھ کہے بغیر مناظر قدرت کو تک رہی ہے)

بتاؤ نا...........

بلقیس :(نظریں مناظر پر دوڑاتے ہوئے) فی الحال میں کچھ نہیں بولوں گی۔اس وقت میں صرف اس روح پرور منظر میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔آپ بھی ذرا توجہ سے دیکھئے نا۔حسن قدرت کی رنگینیوں اور رعنائیوں کو دیکھ کر جو مسرت حاصل ہو جاتی ہے وہ دُنیا کی انمول دولت ہے۔

قیصر :کشمیر واقعی جنت جیسی سرزمین ہے۔یہاں کے سرسبز اور شاداب جنگل، رینگتے دریاء، گرجتے نالے اور شفاف پانی کے یہ چشمے دیکھنے کے لئے لوگ دُنیا کے اطراف واکناف سے یوں ہی نہیں آتے ہیں۔

بلقیس :اور یہاں کے ہر ایک تاریخی مقام، ہر ایک جھیل، ہر ایک باغ اور ہر ایک چشمے کے ساتھ دلچسپ کہانیاں وابستہ ہیں اور یہ کہانیاں ہمارے اجتماعی لاشعور کی ترجمان ہیں۔

قیصر :اصل میں بات غور وفکر کی ہے۔

بلقیس :چشموں کے ساتھ ہمارے عقائد وابستہ ہیں۔ہمارے ذہنوں میں یہ بات صدیوں سے رچی بسی ہے کہ تمام چشمے مقدس ہوتے ہیں اور ان کا احترام کیا جانا چاہئے۔

قیصر :چشموں کا پانی گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتا ہے۔اسے بھی لوگ ان کے متبرک ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔

بلقیس :چشموں کے تئیں کشمیری لوگوں کی عقیدت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ ان میں پائی جانے والی مچھلیوں کا شکار کھیلنا یا پھر اُن کو پکا کر کھانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

قیصر :کشمیری لوگ ان مچھلیوں کی خوراک کے لئے چشموں میں بسکٹ اور دیگر کھانے کی چیزیں ڈالتے ہیں۔

بلقیس :عقیدت مندی کے یہ مناظر واقعی پوری دنیا میں فقیدالمثال ہیں۔

قیصر :کشمیری زبان میں چشمے کو ناگ کہتے ہیں۔اس کا کیا پس منظر ہے؟

بلقیس :ناگ بنیادی طور پر سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور وہاں یہ سانپ کے لئے

استعمال ہوتا ہے۔

قیصر :پھر سانپ اور چشمے کا آپس میں ضرور کچھ تعلق ہوگا۔

بلقیس :ہاں ایک روایت کے مطابق کشمیر کے ہر بڑے چشمے میں ایک مخصوص قسم کا سانپ ہوتا ہے جو اس کی رکھوالی کے کام پر مامور ہے۔

قیصر :(حیرانگی سے) ہونہہ......میں نے تو کبھی بھی کوئی ایسا سانپ کسی چشمے میں نہیں دیکھا ہے۔(بلقیس زور زور سے ہنستی ہے)

قیصر :تم خواہ مخواہ نان سیریس Serious ہو جاتی ہو۔

بلقیس :جناب کیسے دیکھ پاتے۔

قیصر :کیوں؟

بلقیس :وہ اس لئے کہ ان کی کوئی مخصوص شکل و صورت ہوتی ہی نہیں۔

قیصر :پھر..........

بلقیس :پھر کیا۔ یہ کوئی بھی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

قیصر :مثلاً

بلقیس :مثلاً انسان کی صورت یا کبھی کبھی یہ طوفان اور بادل بن کر بھی نمودار ہو سکتے ہیں۔

قیصر :بے شک تمہاری واقفیت قابل رشک ہے۔

بلقیس :کیوں نہ اب گاؤں کے اندر کی جانب جا کر لوگوں کے روزمرہ کے معاملات اور مسائل کو دیکھا جائے۔

قیصر :بہت اچھی بات ہے۔
تو پھر چلتے ہیں۔

بلقیس : (دونوں اٹھتے ہیں اور چلتے چلتے فریم سے باہر ہو جاتے ہیں)

دوسرا منظر

(ایک کھیت میں ایک نو بیاہتا لڑکی اور لڑکا کام کر رہے ہیں۔ لڑکی حبہ خاتون کا

لکھا یہ گانا گا رہی ہے)

وٲرِک دِبن ہتِ وارِ چھس نو
چارٕ کرمِتوٗن ملہِ نیو ہو
گرِ دراِیس آبہٕ نٮ۪س نوٗٹ مےٚ پھٹمو مالینو ہو
یا دپتوم بٔنہ نوٗٹا نیتہٕ نٔنہِ چے ہارٕ مالینو

تیسرا منظر

(بلقیس کھیتوں کے بیچوں بیچ دوڑ کر چلتی ہے اور قیصر اُسے ذرا دور سے پکارتے ہوئے کہتا ہے)

قیصر : رُک جاؤ بلقیس رُک جاؤ۔ گر جاؤ گی۔ رُک جاؤ۔

بلقیس : کچھ نہیں ہو گا صاحب۔ آپ بھی ذرا تیزی سے چلئے نا۔ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں فطری اور اصلی رومانس کا کتنا دلفریب نظارہ ہے۔

(بلقیس رُک جاتی ہے اور قیصر دوڑ کر چلے آ کر اُس کے پاس پہنچ جاتا ہے)

قیصر : شاید ہماری ہی طرح کوئی نو بیاہتا جوڑی ہے۔

بلقیس : بے چارے غریب لوگ۔

قیصر : اس لڑکی کی آواز کتنی خوبصورت ہے اور پھر شکل بھی ایسی کہ جیسے آسمان سے کوئی پری اُتری ہو۔

بلقیس : لڑکا بھی کیا کم ہے۔ نہایت ہی ہنس مکھ، جفاکش اور سمارٹ

قیصر : شاید ہماری طرف دیکھ کر Concious ہونے لگے۔

بلقیس : چلو ہم اس جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھیں گے، وہ پھر گائیں گے اور رومانس کریں گے۔

(بلقیس اور قیصر جھاڑیوں کے پیچھے چھپ جاتے ہیں۔ کھیت میں کام کر رہے طارق اور طاہرہ اپنے کام کے ساتھ پھر محو ہو جاتے ہیں)۔ طاہرہ پھر گاتی ہے۔

(انٹر کٹوں Inter Cuts پر بلقیس اور قیصر کو پیار بانٹتے ہوئے دکھایا جائے

گا...... یہ مناظر مائم کی تکنیک کو استعمال کر کے پیش کیئے جائیں گے)

(گانا مدھم پڑنے کے ساتھ ہی بلقیس اور قیصر کی گفتگو نمایاں ہو جاتی ہے)

بلقیس :ان دونوں کی آنکھوں میں خوشی کے آثار بالکل نمایاں ہیں۔

قیصر :دراصل ان لوگوں کی خواہشات محدود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو وہ سکون قلب حاصل ہے جسے پانے کیلئے مصروف شہروں میں رہنے والے لوگ ترس رہے ہیں۔

بلقیس : کیوں نہ ہم ان کے پاس چلیں۔ ان کے ساتھ باتیں کریں۔

(بلقیس اور قیصر چلنے لگتے ہیں۔ گانا بند ہو جاتا ہے)

دوسرا منظر (ب)

(بلقیس اور قیصر آہستہ آہستہ آگے چل کر طارق اور طاہرہ کے پاس پہنچ جاتے ہیں)

(نزدیک پہنچ کر) کیا نام ہے مرے بھائی کا؟

طارق احمد :سلام علیکم

قیصر اور بلقیس اکٹھے :وعلیکم سلام

بلقیس: نام پوچھا تھا۔

طارق احمد :طارق احمد

بلقیس :میڈم جی کا کیا نام ہے؟

طارق احمد (ہنستے ہوئے) جی طاہرہ۔ میری مسز ہے۔ صرف ایک مہینہ پہلے ہماری شادی ہوئی ہے۔

قیصر :(دھیمی آواز میں) پڑھے لکھے ہیں۔

طارق احمد: ہاں صاحب میں نے گریجویشن کی ہے اور طاہرہ نے بھی میٹرک پاس کیا ہے لیکن کیا کریں سرکاری نوکری ملتی نہیں۔ اپنے ہی کھیتوں میں کام کر کے روزی روٹی کماتے ہیں اور کیا کریں؟

بلقیس :اچھا ہے۔کہتے ہیں نا کہ Work is worship کام عبادت ہے۔
(طاہرہ کی طرف) میری بہن کچھ بولتی ہی نہیں ہے۔

طارق احمد:(ہنستے ہوئے) یہ گونگی ہے۔

قیصر :ہاں ہوگی گونگی۔اس نے ابھی اپنی آواز کا ایسا جادو جگایا تھا کہ پورے ماحول پر وجد سا طاری ہو رہا تھا۔

طارق :اس کا مطلب ہے کہ آپ سن رہے تھے۔

قیصر :اور نہیں تو کیا۔ان کی آواز میں جادو ہے۔

طاہرہ :آپ خواہ مخواہ ہماری تعریفیں کرنے لگے۔ہم غریب لوگوں کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے؟

بلقیس :ایسا نہیں کہتے۔آپ میں کس چیز کی کمی ہے۔

طارق :چلئے گھر جا کر چائے پی لیں گے۔

قیصر :نہیں نہیں ہم چائے پی کر آئے ہیں۔آپ کو Disturb نہیں کریں گے۔ آپ کام کیجئے۔

طاہرہ :ہم بھی اب گھر ہی جا رہے ہیں۔

بلقیس :چلو پھر ساتھ چلتے ہیں۔چلتے چلتے آپ کے ساتھ ویری ناگ کے بارے میں کچھ باتیں ہو جائیں تو کتنا اچھا ہے۔

طارق :بہت اچھا۔

قیصر :آپ کتنے خوش نصیب ہیں جو اس جنت جیسی سرزمین میں پیدا ہوئے ہیں۔

(کیمرا ویری ناگ کی خوبصورتی اور تاریخی پہلوؤں کو مختلف زاویوں سے منعکس کرے گا)

(پس منظر میں ہلکی موسیقی چلے گی اور اس کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچے گا)

چوتھا منظر

(کیمرا چشمۂ ویری ناگ کی عکاسی مختلف زاویوں سے کرے گا۔اس دوران

میں پس منظر میں موسیقی کے مدھم سر چلائے جائیں گے۔ آہستہ آہستہ کیمرا گھماؤ شارٹ Panning Shot کے ذریعے بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو چشمہ کے متصل باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں)

بلقیس :ویری ناگ کے وجود میں آنے کے ساتھ بہت ساری کہانیاں وابستہ ہیں۔ ''وتسامہاتایم'' دریا جہلم کے بارے میں لکھی گئی سب سے پرانی کتاب ہے اور اس کتاب میں ایک دلچسپ کہانی درج ہے۔

قیصر :کہانی......؟

بلقیس :ہاں کہانی......

قیصر :سنایئے تو سہی۔اس ماحول میں کہانی سننے کا ایک الگ ہی مزا ہے۔

بلقیس : کہتے ہیں کہ ستی سر خشک ہونے کے بعد یہاں زبردست سوکھا پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر سارے دیوتا متفکر ہوئے اور اس سنگین صورتحال سے نجات پانے کے لئے کشپ ریشی سمیت سبھی دیوتا اور ریشی ایک برف پوش پہاڑی کے نزدیک گئے (ذرا رُک جاتی ہے)

قیصر :اس کے بعد کیا ہوا؟

بلقیس :وہاں جاکر اُنہوں نے بھگوان شیو کو دھیان میں محو پایا۔ کشپ ریشی عاجزی کرنے لگے اور بھگوان شیو نے اُن کی حالت زار دیکھ کر پاروتی کو ایک ندی کی شکل میں نمودار ہونے کا حکم دیا۔

قیصر :واہ کیا بات ہے۔

بلقیس :اس کے بعد بھگوان نے زمین پر ترشول مارا اور پانی نکلنے لگا۔

قیصر :یعنی ترشول اِسی جگہ پر مارا گیا تھا؟

بلقیس :ہاں اسے نیل ناگ کا مسکن بھی خیال کیا جاتا ہے۔

قیصر :بہر حال جیسے کہ تم نے کہا کہ یہ ایک کہانی ہے۔

بلقیس :ہاں حقیقت تو یہ ہے کہ وتستا کے منبع کے حوالے سے یہ جگہ ہمیشہ مرکز توجہ رہی ہے۔

قیصر :تم بتا سکتی ہو کہ اس جگہ کو ویری ناگ کیوں کہتے ہیں؟

بلقیس :اسطور کچھ اس طرح سے ہے کہ جب پاروتی پانی کی صورت میں نمودار ہوئی تو ایک روایت کے مطابق وہ انسانوں کے مکروہ ہاتھوں سے آلودہ ہونے کے خوف سے اور دوسری روایت کے مطابق نمودار ہونے کی جگہ پر بھگوان شیو کو موجود پا کر شرم کے مارے پھر غائب ہوئی اور کچھ دیر بعد دوبارہ اور دوسری جگہ پر نموار ہو گئی۔

قیصر :وہ دوسری جگہ کونسی ہے؟

بلقیس : کتابوں میں اس جگہ کا نام ''وِتستا ترا'' لکھا گیا ہے اور مروجہ کشمیری میں اسے ''وِبتھ ووتُر......'' کہتے ہیں۔

قیصر :وہ کہاں واقع ہے؟

بلقیس :یہاں سے دو کلومیٹر دور ادھر سے دیکھئے(کیمرا ویری ناگ کے شمال میں پائے جانے والے مناظر کو منعکس کرے گا)

قیصر :یعنی ویری ناگ کے (ذرا رُک کر) شمال (پھر رُک کر) مغرب......ہاں شمال مغرب میں

بلقیس :ہاں بالکل صحیح کہا۔ ویری ناگ کے شمال مغرب میں اور ویری ناگ سے تقریباً دو کلومیٹر دور۔

قیصر :تم گئی ہو کبھی وہاں؟

بلقیس :(دُکھی لہجے میں) ہاں ایک دن ابا جی کے ساتھ گئی تھی......

قیصر :(بات کاٹتے ہوئے) اصل بات تو ہم بھول ہی گئے۔ یہ ویری ناگ کو ویری ناگ کیوں کہتے ہیں؟

بلقیس :ہائے میری یادداشت! ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ خیر سنئے

چونکہ دیوی پاروتی ویری ناگ سے واپس جا کر وبتھ ووتُر کے مقام پر نمودار ہوئی تھی اور سنسکرت زبان میں واپس جانے کو ورہ کہتے ہیں اسی بناء پر اس جگہ کا نام ورہ ناگ پڑ گیا جو صدیوں کے لسانی ارتقاء کے بعد اب ویری ناگ کہلاتا ہے۔

قیصر :میرا خیال تھا کہ ویری ناگ کا مطلب اچھا چشمہ یا بڑا چشمہ ہوگا۔
بلقیس :اپنی جگہ پر آپ کی رائے بھی درست ہے۔ سطحی طور پر سوچ کر یہی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔
قیصر :اچھا تم مزید بتاتی جاؤ۔
بلقیس :مزید کچھ جاننا چاہتے ہو تو میں کچھ کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گی وہ پڑھ کر سچ مچ آپ کی واقفیت میں اضافہ ہوگا۔
قیصر :جس شخص کے سامنے ضخیم اور نادر کتابوں کا ایک دلکش اور دلچسپ مجموعہ انسانی صورت میں موجود ہو، اسے کتابیں پڑھنے کی کیا ضرورت؟
بلقیس :بس بس......اب زیادہ مہربان مت ہو جایئے۔
قیصر :(پیار سے) سچ پوچھو تو مجھے تمہارے اس قدر Knowledgable ہونے پر فخر ہوتا ہے۔ I am proud of you
بلقیس :آپ بھی کتابیں پڑھیں گے تو مجھ سے زیادہ جانکار بن جائیں گے۔
قیصر :تمہاری برابری کرنا میرے بس کی بات نہیں تاہم کتابیں پڑھنے کا شوق مجھ میں بھی پیدا ہو رہا ہے۔
بلقیس :یہ Credit بھی مجھے ہی جائے گا۔
قیصر :بلاشک۔ خیر وتھ وتُر کے بارے میں تم نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
بلقیس :وتھ وتُر کے بارے میں اباجی نے مجھے کچھ دلچسپ باتیں بتائی تھیں۔ مجھے آج بھی وہ باتیں بالکل ازبر ہیں۔

(اسی کے ساتھ یہ منظر ختم ہو جائے گا۔ دوسرا منظر فلیش بیک Flash Back تکنیک کو استعمال میں لا کر پیش کیا جائے گا)

پانچواں منظر

(حیدر صاحب اور بلقیس ایک سجے سجائے کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرتے

ہوئے۔ یہ ان کا رہنے کا کمرہ ہے اور اس میں وہی سامان نظر آئے گا جو ایک کھاتے پیتے گھرانے میں عام طور پر ہوتا ہے۔

حیدر صاحب: بیٹی تم جغرافیہ کی طالبہ ہو۔ جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں انہیں کیسٹ پر ریکارڈ کرنے کے ساتھ ساتھ ذہن نشین بھی کر لینا۔

بلقیس: جی

حیدر صاحب: 'وتستا ترا' جسے کشمیری میں وِیتھ ووتُر کہتے ہیں، سرینگر کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ جگہ یہاں سے ایک سو سولہ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ بانہال پہاڑ کے دامن میں واقع وِیتھ ووتُر کا محلِ وقوع 75^0 طول بلد اور 33^0 عرض بلد کے درمیان ہے۔ کلہن نے راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ اس جگہ پر مہاراجہ اشوک نے ایک قصبہ تعمیر کروایا تھا جس میں بہت سارے ستوپ تھے "درمانے وہار" بھی اسی جگہ پر تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سب تعمیرات مٹتے گئے۔

بلقیس: ان تعمیرات کے آثار تو موجود ہوں گے؟

حیدر صاحب: ممکن ہے کہ زمین کے نیچے ہوں۔

بلقیس: ہمیں ان آثار کو تلاش کرنا چاہئے۔

حیدر صاحب: زمین کے نیچے دبے ہوئے آثار کو تلاش کرنا کتنا مشکل کام ہے اس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوگا۔

بلقیس: ممکن حد تک پھر بھی کوشش کی جا سکتی ہے۔ ہمت مردانِ مددِ خدا

حیدر صاحب: Very Good......اچھے بچے تم جیسے ہی ہوتے ہیں۔

(فلیش بیک ٹوٹ جاتا ہے)

قیصر: کن خیالوں میں کھو گئی؟

بلقیس: ابا جی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

چھٹا منظر

(طارق احمد اور طاہرہ ایک تھرماس فلاسک اور ٹوکری لئے ہوئے آرہے ہیں ان دونوں کو آتے ہوئے کیمرا فالو کرے گا۔ آہستہ آہستہ باغ میں بیٹھے قیصر اور بلقیس بھی نظر آنے لگتے ہیں)

بلقیس :خوبصورت نوجوانوں کی یہ جوڑی چائے لیکر ہمارے ہی جانب آرہی ہے۔

قیصر : کتنے اچھے لوگ ہیں۔

(طارق احمد اور طاہرہ سامنے آکر نیچے بیٹھ جاتے ہیں اور چائے انڈیلنے لگتے ہیں)

(سبھی چہروں پر مسکراہٹ ہے)

بلقیس :اس کی کیا ضرورت تھی؟

طارق احمد: کیوں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں اس میں کونسا تکلف ہے۔

قیصر :چائے تو ہم نے ابھی پی لی تھی۔

طاہرہ :بھائی جان یہ نمکین چائے ہے۔

قیصر :پھر تو سچ مچ مزے کی بات ہے۔ جو مزا نمکین چائے میں ہے وہ کسی اور چائے میں نہیں۔

بلقیس :پیالے بھی وہی نرالے

طارق :ذرا وہ مصرعے گا کر سناؤ بالکل برمحل ہوں گے۔

طاہرہ :رہنے دو۔

بلقیس :یہ کن مصرعوں کی بات ہورہی ہے

(طاہرہ چائے ڈال رہی ہے)

طارق :چتمو چینہ پیالن چائے چھمنو مامے مشائے نے

(طاہرہ اسی بیچ یہ گانا گنگنانے لگتی ہے)

بلقیس :واہ واہ کیا بات ہے...... یہ گانا میرے ابا جی (بات کاٹتے ہوئے)

طاہرہ :نہیں نہیں اچھا نہیں لگتا ہے

قیصر : کیوں اس میں شرمانے کی کیا بات ہے ہم تھوڑی ہی کوئی بازاری گانا گانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ ہمارا اپنا لوک گیت ہے۔

طاہرہ :(مسکراتے ہوئے) نہیں رہنے دیجئے۔

بلقیس :میں پھر چائے نہیں پیوں گی۔

طارق :اچھا گاؤ......دھیمی آواز میں گاؤ......چائے میں مزا بڑھ جائے گا

بلقیس :شاباش میری باجی......

طاہرہ :(ہنستی ہے)

قیصر :بسم اللہ

(طاہرہ گاتی ہے)

چتمو چینہ پیالن چاے ہیو کاٹھ مرن چھے
یم مودی تم نہِ واپس آلے چھم نو مامے مشانے
کریومنز جگرس جاے چھم نو مامے مشانے

(کیمرا باقی کرداروں کا ردِ عمل مختلف شارٹوں کے ذریعے عکس بند کرتا ہے)

(بلقیس اور قیصر دورانِ عکاسی (On Shot) چشمہ ویری ناگ کے اردگرد گھومتے ہوئے)

قیصر :(چلتے چلتے) ہم نے وِبتھ ووتُر کے بارے میں تفصیل سے بات کی لیکن ویری ناگ کے بارے میں آپ نے کچھ بولا نہیں، یہاں کی تعمیرات کے تاریخی پس منظر پر بات ہو جائے تو اچھا ہے۔

بلقیس :ابوالفضل کے آئینِ اکبری میں واضح اشارات ملتے ہیں جن کے مطابق اس عظیم مورخ نے ویری ناگ کے مشرق میں پتھروں کے بنے ہوئے مندر دیکھے تھے لیکن آج اُن مندروں میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے نہ ہی اُن پتھروں کا پتہ چلتا ہے جو ان مندروں کی تعمیر میں استعمال ہوئے تھے۔

قیصر :ممکن ہے کہ زمین کے نیچے دبے ہوں؟

بلقیس : نہیں اس ضمن میں کچھ اور ہی کہا جاتا ہے۔
قیصر : کیا؟
بلقیس : پتھروں کا بنایا ہوا جو ہشت پہلو احاطہ ہماری نظروں میں ہے اسے مغل بادشاہ جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا۔
قیصر : ہاں ایک پتھر پر لکھا بھی ہے کہ تعمیر 1620 میں تکمیل کو پہنچی تھی۔
بلقیس : سٹین کا خیال ہے اس احاطہ بندی میں جن پتھروں کا استعمال ہوا ہے یہ شاید وہی پتھر ہیں جو اس سے پہلے اُن مندروں میں لگے ہوئے تھے جن کا ذکر ابوالفضل نے کیا ہے۔
قیصر : حقیقت میں یہ محرابیں ایک تاریخی دور کی عکاسی کرتی ہیں۔
بلقیس : چشمے کیساتھ بنا ہوا شاندار باغ دوسرے مغل بادشاہ شاہجہاں کا تعمیر کیا ہوا ہے۔
قیصر : میرے خیال میں اب ہم چلیں گے اور جلدی جلدی کھنہ بل پہنچ جائیں گے جہاں رمضانہ شکارہ لے کر ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔
بلقیس : واہ کیا بات ہے۔ بہت مزا آئے گا۔
قیصر : تو چلیں۔
بلقیس : ہاں چلیں گے لیکن ساندرن کے ساتھ ساتھ۔
قیصر : ساندرن کیا ہے؟
وہ میں آگے چل کر بتادوں گی۔

(دونوں کردار چلتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس دستاویز ڈرامے کی دوسری قسط اختتام کو پہنچتی ہے)

وتستا کی سیر!

قسط 3

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	رمضانہ	55سال
4	نوجوان	28سال
5	ڈرائیور	35سال

پہلا منظر (ا)

(نالہ ساندرن کے کنارے پر واقع ایک درخت کے سایے میں بیٹھ کر ایک دیہی نوجوان بنسری بجاتا ہے)

دوسرا منظر (ا)

بلقیس اور قیصر نالہ ساندرن کنارے کنارے چلتے ہوئے نظریں گھما گھما کر بنسری بجانے والے کو تلاش کرتے ہیں۔

قیصر :(ایک جگہ رُک کر بلقیس کا بازو تھام کر کہتا ہے) کیا منظر ہے۔اس ماحول میں بنسری کے مدھر مدھر سر سن کر دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

بلقیس :پتہ نہیں یہ بجانے والا کہاں ہے اور کون ہے؟

قیصر :ہوگا کوئی منچلا دیہی نوجوان............بے غم بے فکر

بلقیس :دیہی علاقوں میں تفنن طبع کے یہ روایتی طریقے اب بھی موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں جو مزہ ہے وہ ٹیلی ویژن اور سینما میں نہیں۔

قیصر :(خوش ہو کر) وہ دیکھو......وہ دیکھو......اُس درخت کے نیچے بجا رہا ہے (قیصر آگے کی جانب اشارہ کرتا ہے)

پہلا منظر (ب)

(نالے کے کنارے، درخت کے سائے میں بیٹھا مست و مدہوش نوجوان

بنسری بجانے میں مگن)

دوسرا منظر (ب)

بلقیس اور قیصر تیز چل کر نوجوان کی طرف بڑھتے ہیں اور جب وہ اُس کے بالکل نزدیک پہنچ جاتے ہیں تو کیمرا واضح لانگ شارف پر ان تینوں کو اپنی آنکھ میں سموتا ہے۔ نوجوان بنسری بجاتا جا رہا ہے جب بلقیس اور قیصر اس کے اردگرد کے پتھروں پر بیٹھ جاتے ہیں تو وہ بنسری بجانا بند کر دیتا ہے اور اُن سے پوچھتا ہے۔

نوجوان :جی......سنایئے..........کہاں سے آئے؟

قیصر :سرینگر سے آئے ہیں۔

نوجوان :گھومنے کے لئے...........

بلقیس :جی ہاں..........گھومنے کے لئے آئے ہیں۔

نوجوان :کیا رکھا ہے ان دور دیہات میں جو آپ اپنا خوبصورت شہر چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں۔

قیصر :شہر میں بنسری بجانے کا یہ سحر انگیز منظر خواب میں بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔

نوجوان :شکر ہے کہ آپ جیسے لوگ ملے جو شاید میرا مذاق نہیں اُڑاتے ہیں۔

بلقیس :اس میں مذاق اڑانے کی کیا بات ہے؟

نوجوان :ہمارا احساس کمتری اور کیا...........

بلقیس :آپ نے کتنا پڑھا ہے؟

نوجوان :بہن جی بی ایس سی کر کے بنسری بجاتا ہوں (ہنستا ہے)

قیصر :It is an additional qualification اس پر فخر ہونا چاہئے۔

نوجوان :بہت بہت شکریہ۔ چلئے گھر جا کر چائے پیتے ہیں۔

بلقیس :شکریہ مجھے یہ بتایئے کہ یہ کونسی دھن بجا رہے تھے؟

نوجوان :رسول میر کے ایک کشمیری نغمے کی دُھن۔ آپ کو شاید معلوم نہیں ہوگا کہ رسول میر اور محمود گامی کا تعلق اس علاقے سے ہے۔

بلقیس :ہاں ہاں معلوم کیوں نہیں ہے، ہم وہیں سے آگئے۔

قیصر :رسول میر کشمیری زبان کے کیٹس ہیں۔ اُن کی شاعری میں ایک جادوئی اثر ہے۔

بلقیس :اُن کی غزلیں کشمیری شعر وادب کا ایک انمول سرمایہ ہیں۔

قیصر : آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں جو اتنی بڑی شاعرانہ شخصیت آپ کے علاقے میں پیدا ہوئی ہے۔

بلقیس :(رسول میر کا ایک شعر پڑھتی ہے)

روسُل چھزانتھ دین مذہب روخِتہِ زُلف چون
کوزلنہِ کیا گوو کُفر تے اسلام نِگارو
دل بندِ دِل آزاد دلارام نگارو

نوجوان :محمود گامی بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

بلقیس :محمود گامی کو اگر ایک تمدن ساز شخصیت کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ اُنہوں نے کشمیری شعر وادب میں کچھ نئے اور قابل تقلید باب کھولے ہیں۔

قیصر :محمود آباد میں واقع اُن کے مزار کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے لوگ اُن کے تئیں زبردست عقیدت رکھتے ہیں۔

بلقیس :اُن کے کارناموں کو زیر نظر رکھتے ہوئے پوری کشمیری قوم پر فرض بنتا ہے کہ وہ اُن کی قدر کریں۔

قیصر :واقعی یہ ہستیاں قابل عزت ہیں۔

نوجوان :رسول میر اور محمود گامی کی غزلوں اور گیتوں کو شہر کے لوگ بھی سنتے ہیں۔

بلقیس :یوں کہیئے کہ بہت پسند کرتے ہیں۔ دراصل ان کے یہ گیت آفاقی ہیں اور ان کو کسی علاقے یا کسی زمانے کے ساتھ منسوب یا محدود کرنا نادانی ہے۔

قیصر :یہ سدابہار نغمے ہمیشہ کشمیر کے کونے کونے میں گونجتے رہیں گے۔

(رسول میر کے مقبول عام نغمے "ہاعشقہ ژورو رَشکہ کرتھس دیوانہ نتے" کے مدھر سر بلقیس کے ذہن میں اُبھرتے ہیں اور اسی کے نقطہ نگاہ سے فلیش بیک پر اس نغمے کو منعکس کیا جاتا ہے اور یہ اس قسط کا تیسرا منظر ہوگا)

چوتھا منظر

کیمرا لانگ شارٹ پر وسیع کھیتوں کو عکس بند کر کے آہستہ آہستہ بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو تھکے ماندے چل رہے ہیں)

قیصر :تھک گئی نا......

بلقیس :نہیں تو......

قیصر :(ہنستے ہوئے) میں تو بہت تھک گیا تم نے کہا تھا کہ کھنہ بل نزدیک ہے۔

بلقیس :زیادہ دور بھی نہیں ہے۔

قیصر :نابابانا......پھر ہم گاڑی میں جائیں گے۔

بلقیس : مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن نالہساندرن کے کنارے کنارے چلنے کا موقعہ تو ہمیں زندگی میں بار بار نہیں ملے گا۔ دیکھئے کتنا شفاف ہے اس کا پانی۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں اور جھرنے مختلف اطراف سے آکر اس بڑے نالے کے ساتھ مل کر اس کی وسعت میں اضافہ کرتے ہیں۔

قیصر :چشمہ ویری ناگ سے نکلا ہوا پانی بھی اس چشمے کے ساتھ ملتا ہے۔

بلقیس :بالکل ملتا ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ویری ناگ سے کھنہ بل تک اس کو ساندرن ہی بولتے ہیں نہ کہ جہلم، وبتھ، یا وتستا

قیصر :یہ تو دلچسپ باتیں ہیں ایسی ہی بہت ساری دلچسپ باتیں میں گاڑی میں بیٹھ کر سننا چاہتا ہوں۔

(بلقیس کا ہاتھ پکڑتا ہے) پلیز

بلقیس (ہنس کر) چلتی ہوں

پانچواں منظر

(لانگ شارٹ پر ایک ٹاٹا سوموکو سڑک پر چلتے ہوئے دکھایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد کیمرا سومو کے ڈرائیور پر فوکس ہوتا ہے اور بُمر شارٹ تبدیل ہو کر بلقیس اور قیصر گفتگو کرتے ہوئے پیش منظر میں آتے ہیں)

قیصر :یہ مڑ کر مڑ کر تم کیا دیکھ رہی ہو؟

بلقیس :علاقہ شاہ آباد۔ آپ کو اچھا نہیں لگا؟

قیصر :بہت اچھا۔ یہ پُر فضا مقامات دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔۔

بلقیس :تاریخی اعتبار سے بھی یہ علاقہ بہت اہم ہے۔ پتہ ہے کیسے؟

قیصر :نہیں تو۔

بلقیس : کہتے ہیں کہ شاہ آباد کا پرانا نام ویری ناگ کی نسبت سے ویر پرگنہ تھا۔ ابوالفضل کی آئین اکبری میں اس کا یہی نام لکھا گیا ہے۔

قیصر :پھر اس کا نام شاہ آباد کیسے پڑا ہے؟

بلقیس :مشہور مغل بادشاہ جہانگیر نے ویری کی جگہ پر ایک شاندار محل بنایا تھا۔ جب یہ محل ملکہ نور جہاں نے دیکھا تو اُسے بہت پسند آیا اور اُسی نے اس کا نام شاہ آباد رکھا گو کہ اُس نے یہ نام ایک مخصوص جگہ کے لئے تجویز کیا تھا لیکن بعد ازاں یہ پورا پرگنہ شاہ آباد ہی کہلایا اور آج تک اس کو اسی نام سے جانا جاتا ہے۔

قیصر :وہ محل خانہ اب موجود نہیں ہے؟

بلقیس :نہیں۔ اس کے آثار تک مٹ چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ آباد علاقے کی سیر شہنشاہ اکبر بھی کر چکا تھا اور مورخین کا بھی یہ خیال ہے کہ اکبر کے دورِ حکومت میں اس جگہ کی خصوصی اہمیت تھی۔

ڈرائیور :جی ہم اننت ناگ قصبے میں پہنچ گئے۔

4

بلقیس :ہاں یہاں رکئے۔ یہاں بھی بہت ساری جگہیں دیکھنے کے قابل ہیں۔

(بلقیس اور قیصر سومو سے اُترتے ہیں)

چھٹا منظر

"رمضانہ جہلم کے کنارے لگائے گئے ایک سجے سجائے بوٹ میں بلقیس اور قیصر کی راہیں تک رہا ہے۔ کیمرے کے فریم کو آہستہ آہستہ وسیع کر کے لانگ شارٹ پر بلقیس اور قیصر کو آتے ہوئے دِکھایا جارہا ہے۔ اُن کو دیکھتے ہی رمضانہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں)

رمضانہ :السلام علیکم

بلقیس اور قیصر (ایک ساتھ) وعلیکم السلام

(دونوں رمضانہ سے خیریت پوچھتے ہوئے شکارے میں بیٹھ جاتے ہیں)

قیصر :انتظار کرتے کرتے تھک تو نہیں گئے؟

رمضانہ :نہیں صاحب ایسی کیا بات تھی۔ بلقیس صاحبہ آپ ٹھیک ہیں نا۔

بلقیس :ہاں چاچا۔ آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوں۔

رمضانہ :کاش آج حیدر صاحب زندہ ہوتے۔ کتنی خوشی ہوتی اُن کو کتنا پیار کرتے تھے آپ سے۔

(رمضانہ کے نقطہ نگاہ سے فلیش بیک منظر)

ساتواں منظر

(حیدر صاحب باغ میں چہل قدمی کرنے کے بعد ایک پارک چیئر پر بیٹھ کر رمضانہ کو بلا رہے ہیں)

حیدر صاحب: رمضانہ.....رمضانہ..........رمضانہ

رمضانہ :(Out of vision).جی صاحب

حیدرصاحب: ذرا اِدھر آنا تم سے کچھ کہنا ہے۔

رمضانہ :جی سرکار

حیدرصاحب: بلقیس بیٹی کہاں ہے؟

رمضانہ :اندر بیٹھی ہے صاحب۔ گم سم سی ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟

حیدرصاحب: (دُکھی انداز میں) ماں کو یاد کرتی ہے.........تو نے نہیں بتایا کہ شکارہ میں ڈل کی سیر کریں گے۔

رمضانہ :ابھی نہیں بتایا صاحب

حیدرصاحب: جا کے بتادو

(حیدرصاحب جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہیں)

رحم کر میرے اللہ رحم کر

بلقیس :(حیدرصاحب کے سامنے آ کر) جی ابا جی.........آپ نے مجھے بلایا؟

حیدرصاحب: ہاں بیٹا ہاں......تمہیں پتہ ہے کہ کل ہم کہاں جارہے ہیں؟

بلقیس :نہیں تو......

حیدرصاحب: کل ہم ایک شکارہ لیکر ڈل کی سیر کرنے جارہے ہیں۔

بلقیس :Oh my great Dad How wonderful

حیدرصاحب: جاؤ تو کیمرا وغیرہ سب چیزیں تیار رکھو۔ کل سویرے چلیں گے۔

بلقیس :خوشی سے دوڑ کے چلی جاتی ہے

حیدرصاحب: دیکھا..........

رمضانہ :ہاں صاحب

حیدرصاحب: اس کے سامنے دنیا کی ساری دولت، لذیز نعمتیں اور لباس وغیرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ اگر اس کی کوئی کمزوری ہے تو وہ صرف اور صرف مناظر قدرت اور سیاحت ہے۔

رمضانہ :سو تو آپ کی بھی ہے صاحب

حیدر صاحب: ہاں تم جیسا باذوق اور وفادار Boat Man اور ساتھی ملا تو میرا یہ شوق کچھ زیادہ ہی نکھرا۔

(بلقیس آتی ہے)

بلقیس :رمضان چاچا آپ سے میں ایک چیز مانگنے آئی ہوں۔ ایک قیمتی چیز

رمضانہ :بولئے میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے

بلقیس :مجھے بوٹ چلانا سکھاؤ...... سکھاؤ گے نا......

رمضانہ :ہاں ضرور سکھادوں گا

(فلیش بیک کا منظر بلقیس کے کلوز اپ Closeup شارٹ پر ٹوٹ جاتا ہے)

(چھٹا منظر جاری رہے گا)

بلقیس :رمضان چاچا آپ کس گہری سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ بولئے نا کوئی گانا سنایئے نا......

قیصر :رمضانہ گاتا بھی ہے۔

بلقیس :رمضانہ نہیں، رمضان چاچا کہئے۔ اباجی ان کو چھوٹے بھائی مانتے تھے۔

قیصر :سوری (Sorry) پھر سنائیں گے نا آپ کوئی گانا رمضان چاچا۔

رمضانہ :ہاں...... بوٹ کو دریا کے بیچ میں لیکر گانا سننے اور سنانے میں کچھ زیادہ ہی مزا آئے گا۔

بلقیس :بالکل صحیح کہا آپ نے..................

(رمضانہ شکارہ کو دریاء کے بالکل وسط میں لیکر گنگنانے لگتا ہے)

ژلان چھُم شرحبانؔ اِضطرابن ولولن اندر
یوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر
سنبر ووگنیار سمسارُک بہ وچھنے آس سمسارکس
یمے ژھوہ مارنس کیٹ چھُس دوہس راتس پوہس ہارس

غو لا ماچھس نہ کانہہ تھاوِم مےٚ پنجرن ہانکلن اندر

قیصر :واہ واہ کیا ادا ہے کیا آواز ہے؟

بلقیس :یہ بھی کہئے کہ کیا شاعری ہے۔ میں ہر موسم اور ہر مہینے میں شب و روز اُچھلتا، کودتا اور چلتا رہتا ہوں کیونکہ میں نے نشیب و فراز سر کرنے کیلئے ہی جنم لیا ہے۔ میں کوئی غلام نہیں کہ کوئی مجھے زنجیروں میں جکڑ دے۔ مجھے زندگی کا حقیقی لطف مسافتیں طے کرنے اور منزلیں پانے میں ہی ملتا ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں ہوگا کہ یہ اشعار کشمیری زبان کے مشہور و معروف شاعر عبدالاحد آزاد کے ہیں۔

قیصر :آزاد صاحب ایک انقلابی شاعر تھے۔

بلقیس :ہاں اُنہوں نے مناظر قدرت کی عکاسی اپنے اشعار میں بہترین انداز میں کی ہے۔ رمضان چاچا نے جو اشعار گا کر سنائے وہ اُن کی مشہور نظم (دریاء) کے ہیں۔ اس نظم میں مرحوم آزاد نے دریا کو ایک علامت بنا کر زندگی کی ترجمانی کی ہے۔

قیصر : دریاء............دریائے جہلم............رمضان چاچا اس دریا کو۔ دریائے جہلم کیوں کہتے ہیں؟

رمضان :میں کون سا عالم ہوں جو مجھ سے پوچھتے ہیں۔ بلقیس صاحبہ سے پوچھئے۔ ان کو سب معلوم ہے۔

قیصر :فرمایئے حضور............

بلقیس :(قیصر ادب سے بیٹھتا ہے)

اس دریا کو کچھ لوگ دریا ہی بولتے ہیں۔ کہیں کہیں اس کا نام جہلم بتایا جاتا ہے لیکن یہاں کے عام لوگ اس دریا کو وبتھ کے نام سے جانتے ہیں۔ وتستا اس کا قدیم تاریخی نام ہے۔ وتستا کے بارے میں اہم معلومات وتستا مہاتایم میں ملتی ہیں۔ یہ وتستا پر سنسکرت زبان میں لکھی گئی سب سے پرانی اور پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب جہلم کے کناروں پر آباد دورِ قدیم کے لوگوں اور دیگر اہم مقامات کے

بارے میں جانکاری فراہم کرتی ہے۔

(رمضانہ چپو چلاتا ہے اور شکارہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ سب خاموش ہیں)

قیصر :(خاموشی کو توڑتے ہوئے) شکارہ میں سفر کرنے کا الگ ہی مزا ہے۔

بلقیس :اب کھنہ بل سے کھادنی یار تک مزے ہی مزے ہیں۔

قیصر :رمضان چاچا آپ کھنہ بل کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے کیا؟

رمضانہ :کھنہ بل سے وتستا دریائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پرانے زمانے میں جب کوئی زمینی ٹرانسپورٹ کا ذریعہ نہیں تھا یہ جگہ بہت مشہور تھی۔

قیصر :وہ کیسے؟

رمضانہ :وہ اس لئے کہ لوگوں کو ہر قسم کا مال وغیرہ بڑی بڑی کشتیوں میں لاد کر آبی راستے سے ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا تھا۔

بلقیس :یہاں پانی کی رفتار بہت تیز ہے اور آگے جا کر یہ آہستہ آہستہ مدھم پڑ جاتی ہے۔

رمضانہ :یہاں سے بارہمولہ تک 102 میل کا فاصلہ ہے، جھیل ولر تک تقریباً 50 میل ہوں گے۔ پہلے 30 کلومیل تک بہاؤ کی رفتار تقریباً ایسی ہی رہتی ہے۔ آگے چل کر یہ رفتار کم ہو جاتی ہے اور ولر جھیل میں پہنچ کر کبھی کبھی ایسا بھی لگتا ہے کہ یہ دریا ساکت ہے۔

قیصر :ساندرن نالے کے علاوہ یہاں پر اور کونسا نالہ جہلم کے ساتھ ملتا ہے؟

بلقیس :نالہ برنگ اور آریپتھ......نالہ برنگ کو ''وتستا مہاتایم'' میں برنگی لکھا گیا ہے۔ یہ نالہ ''برنگ'' علاقے سے آتا ہے۔ اس نالے کو بھی ساندرن نالے کی طرح کئی چشموں کا پانی وجود بخشتا ہے۔

قیصر :نالہ آریپتھ کس جانب سے آتا ہے؟

بلقیس :یہ نالہ شمال مشرق سے آتا ہے اور نیل مت پران میں اس کا تذکرہ بار بار ہراسپتھ کے نام سے آیا ہے۔ اس نالے کا گزر کوٹھہار علاقے سے ہوتا ہے۔

قیصر :ان نالوں کی بڑی اہمیت ہے۔

رمضانہ: آگے چل کر وتستا کے ساتھ ایک اور اہم نالہ یعنی (نالہ لِدر) مل جاتا ہے۔ اس نالے کا بہاؤ بہت تیز ہوتا ہے اور اس میں سے پانی کی کثیر مقدار بہہ جاتی ہے۔

قیصر: پھر وہاں جلدی پہنچاؤ۔

رمضانہ: ضمناً بتایئے کہ قصبہ انت ناگ کو بغور دیکھ لیا آپ لوگوں نے۔

قیصر: نہیں تو۔

رمضانا: نہیں دیکھنا ہے کیا؟

بلقیس: ہاں دیکھنا ہے اور تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا تاریخی قصبہ ہے جس کے بارے میں ہمیں زیادہ سے زیادہ واقفیت ہونی چاہیئے۔

قیصر: تو پھر چلئے۔

بلقیس: ہمیں اب واپس جانا پڑے گا لیکن جانا ضروری ہے۔ رمضان چاچا شکارہ ساحل کی جانب لے جاؤ۔

(رمضانہ کشتی کو ساحل کے ساتھ لگاتا ہے اور یہ منظر یہیں پر اختتام کو پہنچتا ہے)

ساتواں منظر

(کیمرا انت ناگ قصبے کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا جو سڑک کے کنارے اس قصبے کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے ہیں)

قیصر: کہیں انت کے معنی ان گنت یا بہت تو نہیں ہے؟

بلقیس: میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ انت ناگ میں بہت سارے چشمے ہیں۔

قیصر: انت نام کا کوئی مخصوص چشمہ ہے کیا؟

بلقیس: محققین کا خیال ہے اس قصبے کا نام اُس مخصوص چشمے کی وجہ سے پڑا ہے جو اس کے بالکل وسط میں ہے۔ اس چشمے کا تذکرہ نیل مت پوران میں بھی ہے اور

کہا جاتا ہے کہ یہاں پر ایک مشہور تیرتھ بھی تھا۔ ہندو دھرم کے بارے میں لکھی گئی پرانی کتابوں میں اس قصبے کا ذکر بار بار کیا گیا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قصبہ یاتریوں کیلئے خاص مرکز رہا ہوگا۔

قیصر :اچھا......

بلقیس :اننت ناگ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے یعنی کاڈی پورہ، رشی صاحب اور شیر پورہ۔ یہاں کے ہر محلے میں آپ کو ایک چھوٹا بڑا چشمہ ضرور دیکھنے کو ملے گا۔

قیصر :مجھے لگتا ہے کہ یہاں ہر گھر کے ساتھ ایک چشمہ ہے۔(ہنستا ہے)

بلقیس :سچ مچ یہاں کئی لوگوں کے گھروں کے سامنے والے صحن میں چشمہ اُبلتا ہے۔

قیصر :بڑے نصیب والے لوگ ہیں ضمناً میں تم سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ عام لوگ اس قصبے کو اسلام آباد کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کا کیا پس منظر ہے؟

بلقیس :Revenue Record میں اس قصبے کا نام اسلام آباد ہی ہے اس کا پس منظر یوں ہے کہ اورنگ زیب کے دورِ اقتدار میں مغل گورنر اسلام خان نے 1074ھ میں اس قصبے کی تعمیر و ترقی میں نمایاں رول ادا کیا اور بعد میں اس کا نام بھی اننت ناگ سے اسلام آباد میں بدل دیا۔

قیصر :اس قصبے میں کئی خانقاہیں، مساجد اور منادر ہوں گے؟

بلقیس :ریشی صاحب جسے عرفِ عام میں ریشی مول کہا جاتا ہے، کی زیارت گاہ یہاں کے اہم مذہبی مقامات میں شامل ہے۔ اس زیارت پر ہر مذہب اور عقیدت کے ساتھ وابستہ لوگ مختلف جگہوں سے سال بھر آتے رہتے ہیں۔ اس زیارت کے ساتھ ہی "دیوی بل" نام کا مشہور مندر بھی واقع ہے۔ اس مندر کے متصل ہی مسجد بابا داؤد خاکیؒ ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مسجد اور مندر کا صحن بھی مشترکہ ہے اور باہری دروازہ بھی۔

قیصر :مذہبی رواداری کے یہ مناظر کشمیر کی اکثر بستیوں میں عیاں ہیں۔

بلقیس :اس قصبے کے دیگر اہم مقامات میں "پانڈولر"، "ہاروت ماروت صاحب کی

زیارت"، "شوالا مندر" اور "ملک ناگ" شامل ہیں۔

قیصر : یہاں کی آبادی کتنی ہوگی؟

بلقیس : یہاں کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہوگی۔لوگ عام طور پر آسودہ حال ہیں۔ اننت ناگ کے کاریگر بہت مشہور ہیں خاص طور پر جو نمدہ سازی اور گبہ سازی کے کام اس قصبے کے کاریگر انجام دے رہے ہیں وہ قابل دید ہیں۔اخروٹ کی لکڑی کی آرائشی چیزیں بھی یہاں بنتی ہیں۔اننت ناگ کے شاخشاز محلے میں بنائی جانے والی کانگڑیاں پورے کشمیر میں مشہور ہیں۔

قیصر : یہاں کے بازار بھی سجے سجائے اور اچھے خاصے ہیں۔

بلقیس : اننت ناگ کے اہم بازاروں میں چینی چوک، ریشی بازار، مہندی کدل، اشا جی پورہ، کاڈی پورہ، لال چوک اور مٹن چوک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قیصر : اس قصبے کا روحانی اور مذہبی پس منظر بالکل واضح ہے۔علمی اور ادبی دنیا میں اسلام آباد کا کیا مقام ہے؟

بلقیس : شعر و ادب، کھیل کود اور سیاست کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو خاصی دلچسپی ہے۔اس قصبے نے لسہ خان فدا نام کے بہت بڑے کشمیری شاعر کو پیدا کیا ہے۔علم ریاضی کے مشہور ماہر، شاعر اور دانشور قاضی غلام محمد صاحب کا تعلق بھی اسی قصبے کے ساتھ تھا۔ریاست کے ایک سابقہ نائب وزیر اعلیٰ اور اہم سیاسی شخصیت مرزا محمد افضل بیگ کا تعلق بھی اننت ناگ کے ساتھ ہی تھا۔

قیصر : اچھا ہوا جو ہم اننت ناگ قصبے کے اندر آئے اور یہ باہمی گفتگو کی۔اب کیا ارادہ ہے؟

قیصر : اب تم مجھے اُن سبھی جگہوں کو دیکھنے کیلئے اپنے ساتھ لے جاؤ گی جن کا تذکرہ تم نے اپنی تقریر میں کیا۔

(دونوں ہنستے ہیں)

(اسی کے ساتھ اس دستاویزی ڈرامے کا یہ منظر اور قسط اختتام کو پہنچتے ہیں)

○□○

وتستا کی سیر!

قسط 4

کردارنامہ

عمر	کردار	نمبر
26سال	بلقیس	1
29سال	قیصر	2
55سال	رمضانہ	3
50سال	راوی	4

پہلا منظر

(کیمرا جہلم کے کنارے پر کھڑا "راوی" پر فوکس ہوگا۔ راوی جو ادھیڑ عمر کا قلمکار ہے دائیں ہاتھ میں قلم اور بائیں ہاتھ میں ایک چھوٹا سا نوٹ بک لئے ہوئے منظر شروع ہوتے ہی بولے گا)

راوی: پچھلی تین قسطوں میں آپ نے دیکھا کہ قیصر اور بلقیس کی نوبیاہتا جوڑی ہنی مون منانے کے سلسلے میں "وتستا کی سیر" پر نکلے ہوئے ہیں۔ بلقیس نے جغرافیہ کے مضمون میں ایم۔ ایس۔ سی کیا ہے اور ان کے والد حیدر صاحب مناظرِ قدرت کے سچے شیدائی تھے۔ اِن عوامل کے باعث بلقیس بھی قدرتی نظاروں۔ تاریخی عمارات اور دیگر تمدنی ورثے کی قدردان اور متلاشی بن گئی ہے۔ قیصر اس کے برعکس ایک انجینئر ہے۔ ان کی طبیعت کو تہذیب اور ثقافت کی باتیں زیادہ راس نہیں آتی ہیں۔ بہرحال اپنی پسندیدہ دلہن بلقیس کے ذوق وشوق کی تشفی کے لئے وہ نہ صرف اس کا ساتھ دے رہا ہے بلکہ دھیرے دھیرے اِس سنجیدہ قسم کے مضمون میں دلچسپی بھی ظاہر کرنے لگا ہے۔

(دوسرا منظر)

بازگشت Re-cap

(راوی جونہی اس کے آگے بولنا شروع کرے گا۔ بازگشت Re-cap کے طور پر پچھلی قسطوں کے موزوں مناظر پیش کئے جائیں گے)

راوی: آپ کو یاد ہوگا اِس انوکھے اور دلچسپ سفر کا آغاز ویری ناگ کے تاریخی صحت افزاء مقام سے ہوا۔ بلقیس اور قیصر نے وبتھ ووتُر اور ڈورو شاہ آباد جیسے تاریخی مقامات کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ بعد ازاں وہ ساندرن نالے کے کنارے کنارے چل کر کھنہ بل پہنچے جہاں وہ ایک شِکارہ میں بیٹھے اور دریائی

سفر کا آغاز کیا۔ اس مقام سے ان کا ساتھ ماہر بوٹ مین رمضان چا چا دے رہا ہے۔ اس کام کے لئے رمضان چا چا کا انتخاب بلقیس نے اِس بِنا پر کیا ہے کہ وہ ہمیشہ اُن کے والد حیدر صاحب کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ یہ تینوں کردار اس وقت شِکارہ میں بیٹھ کر بجبہاڑہ کے تاریخی قصبے کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔

تیسرا منظر

(کیمرا اُس شکارے کو فوکس میں لائے گا جس میں بیٹھ کر بلقیس قیصر اور رمضانہ دریا کے بیچوں بیچ آگے بڑھ رہے ہیں۔ رمضان چا چا چپوٗ چلانے کے ساتھ ساتھ سُریلی آواز میں لل دید کا مشہور واکھ گا رہا ہے۔)

رمضانہ:۔

آمہِ پنہٕ صٔدرس ناوِ چھس لمان
کتہِ بوزِ دے میون میتہِ دیہ تار
آمین ٹاکین پۄنٛی زن شمان
زو چھُم برمان گرٕ گژھہ ہا

قیصر: واہ واہ............واہ چا چا واہ............

رمضانہ: شکریہ حضور شکریہ......

بلقیس :رمضان چا چا یہ تکلفات چھوڑ دیجئے۔ آپ ہمارے ابا جی جیسے ہیں۔

قیصر : رمضان چا چا نے جو اشعار سنائے وہ سنکر میرے ذہن میں ایک ساتھ کئی سوالات ابھر رہے ہیں۔

بلقیس (مسکراتے ہوئے): یہی نا کہ یہ اشعار کس شاعر نے لکھے ہیں اور اِن اشعار میں شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟

قیصر :یہ پیغام وغیرہ تمھیں مجھ سے زیادہ سمجھ میں آتا ہے۔

بلقیس :رمضان چا چا سے کیوں نہیں پوچھتے ہو۔

رمضانہ : بیٹے میں کون ساعالم ہوں جو میں بتاسکوں۔ہاں اتنا معلوم ہے کہ للہ عارفہ کا کلام ہے۔

بلقیس :واہ واہ......للہ عارفہ جسے کشمیری لوگ نہایت عقیدت واحترام سے لل دید اور لل موج کے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں نہایت ہی بلند مرتبہ شاعرہ ہیں۔ اُن کے ساتھ کشمیری لوگوں کی عقیدت بھی وابستہ ہے۔

قیصر : اُن کے خیالات میں عشقِ الٰہی کا جذبہ اورروحانی فلسفے کے باریک نکات ملتے ہیں۔مثلاً اگر ہم ان ہی اشعار پر غوروفکر کریں گے ذہن میں کیا خوب مناظر آجاتے ہیں۔

آمہِ ینہ صدرس ناوِ چھس لمان

بلقیس بھنور میں پھنسی ہوئی ناؤ کو کچے دھاگے سے کھینچتی ہوں۔کاش میرا مالک میری فریاد سُن کر اس ڈانوڈول نیّا کو پاراُتار دیتا۔میری حقیقت مٹی کے بنے ایک ایسے کچے برتن کی مانند ہے جس سے پانی رِستا ہو۔اس لئے میری روح لرز رہی ہے اور میں اپنے اصلی گھر میں پناہ لینا چاہتی ہوں۔

رمضانہ اور قیصر :واہ واہ............واہ

قیصر: (رمضانہ سے مخاطب ہوکر)اب رمضان، چاچا میرے ایک اہم سوال کا جواب دیں گے۔

رمضانہ: (ہنستے ہوئے)صاحب کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تیسری تک پڑھا ہے میں نے۔ کیا سوال اور کیا جواب۔

قیصر: (بات کاٹتے ہوئے)نہیں دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔کہ ابھی تک آپ عبدالاحد آزاد کی نظم ''دریاء'' کے اشعار گاتے تھے۔آج لل دید کا کلام سنانے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔

رمضانہ :کوئی خاص وجہ تو نہیں لیکن ایک وجہ ہے صاحب

بلقیس :وہ کیا؟

رمضانہ :آپ کو پتہ ہونا چاہیے صاحب

بلقیس :نہیں تو۔

رمضانہ :صاحب ہم بجبہاڑہ کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لل دید کو اس قصبے کے ساتھ خاص مناسبت رہی ہے۔

قیصر :بھلا کس قسم کی مناسبت رہی ہوگی۔ میں نے تو سنا ہے کہ لل دید پانپور کی تھی۔

بلقیس :ہاں کہا جاتا ہے کہ وہ پانپور میں ہی پیدا ہوئی تھی لیکن جہاں تک اُنکی آخری آرام گاہ کا تعلق ہے اُسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسی قصبے میں ہے۔

قیصر :لل دید اور آرام گاہ (حیرانگی سے)!

رمضانہ :(ہنستے ہنستے) میں سمجھ گیا کہ آپ کیا سوچنے لگے۔ دیکھئے جہاں تک لل دید کا تعلق ہے۔ انکو ہم کسی مخصوص مذہب اور عقیدے کی حدوں میں بند نہیں کر سکتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں میں یہاں کے مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔ کوئی انکو لل عارفہ کوئی للیشوری کوئی لل موج اور کوئی لل دید کہہ کر یاد کرتا ہے۔

بلقیس :یہ سب ٹھیک ہے لیکن............

رمضانہ :[بات کاٹتے ہوئے] ہاں ہاں میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ صاحب کے نکتے کی طرف۔ جب لل دید اللہ کو پیاری ہوگئی تو انکی آخری رسومات انجام دینے پر یہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ مسلمان لل دید کو دفنانا چاہتے تھے جبکہ ہندو ان کا داہ سنسکار کرنا چاہتے تھے۔

بلقیس :پھر کیا ہوا؟

رمضانہ :پھر جب نوبت لڑائی پر آگئی تو ایک نیک سیرت شخص نے وہ چادر اٹھائی جس کے نیچے اس عظیم عارفہ کا شو تھا۔

قیصر :پھر.........!

رمضانہ :شو غائب ہوا تھا اور وہاں صرف ایک گلدستہ تھا جو بعد میں دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ ایک حصہ ہندوؤں نے لے لیا اور ایک مسلمانوں کو مل گیا۔ کہتے ہیں کہ

مسلمانوں کا وہی حصہ وہ بجبہاڑہ کی تاریخی جامع مسجد کے نزدیک دفنایا گیا۔

قیصر : آپ ہمیں وہاں لے جائیں گے نا؟

رمضانہ : ہاں ضرور ہم تو بجبہاڑہ پہنچ چکے ہیں ۔کشمیر کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے بجبہاڑہ۔

بلقیس : بجبہاڑہ کا قدیم نام وجیشور ہے یہ ایک تاریخی قصبہ ہے۔ تاریخی کتابوں سے واضح اشارے ملتے ہیں جن کے مطابق یہ جگہ ایک دور میں کشمیر کی راجدھانی تھی۔ بڈ شاہی دور میں اِسے 'وجے ہار' کہتے تھے جب کہ کشمیری زبان میں اسکو بِجہِ بیور کہتے ہیں۔ ویجہ بُیو ر وجیشور لفظ کی بگڑی ہوئی صورت دکھائی دیتی ہے۔

قیصر : لفظوں کی صورت کس طرح بگڑتی جاتی ہے اور کون سے لفظ کیا کیا صورتیں اختیار کر لیتے ہیں یہ بھی ایک دلچسپ علم ہے۔

بلقیس : میں نے سٹین صاحب کا کلہن کی شہرہ آفاق راج ترنگنی کا ترجمہ پڑھا ہے۔ اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ 'برور' سنسکرت لفظ بٹھارک سے نکلا ہے۔ بٹھارک کے معنی دیوتا ہے اور برور لفظ سے دیوی مطلب نکلتا ہے۔ اس قصبے کو راجا وجے کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس بادشاہ کے بارے میں مزید کوئی واقفیت دستیاب نہیں ہے۔ اس قصبے کے بارے میں کشمیر سے متعلق لکھی گئیں تمام کتابوں میں تفصیلی تذکرے شامل ہیں۔ ان کتابوں میں نیل مت پران وتستا مہاتایم آئین اکبری، وجیشور مہاتایم راج ترنگنی، وینے کا سفر نامہ اور تاریخ حسن جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔ تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ وجیشور کے مقام پر ایک ایسا تاریخی تیرتھ موجود تھا جہاں دُنیا کے مختلف اطراف و اکناف سے لوگ آیا کرتے تھے۔

قیصر : کیا اس تاریخی تیرتھ کے آثار آج بھی یہاں موجود ہیں؟

بلقیس : نہیں تاہم یہاں وجیشور مندر آج بھی قائم ہے لیکن یہ وہ مندر نہیں ہے جس کی تفصیلات تاریخی کتابوں میں درج ہیں۔ وجیشور کی تاریخی بستی کے بارے میں

جب میں نے ایک دن تاریخ کشمیر کے ایک ماہر کے ساتھ بات کی تو انہوں
نے اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں چند دلچسپ اور معلوماتی باتیں کہیں۔
(اس مرحلے پر ہم فلیش بیک Flash Back تکنیک کا استعمال کر کے کسی بھی عصری
مورخ یا محقق کے ساتھ بلقیس کی گفتگو کو منعکس کر سکتے ہیں۔)
(فلیش بیک ختم ہونے کے بعد)

قیصر :تم تو علم و ادب کی شیدائی ہو۔ میری ایک فرمائش ہے پوری کروگی؟

بلقیس :آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آپ میرے سر تاج ہیں۔

قیصر: (بلقیس کا ہاتھ پکڑ کر) تو چلتے ہیں اور بجبہاڑہ قصبے کو اندر سے دیکھ لیتے ہیں۔

پانچواں منظر

(کیمرا مقامی تحصیلدار کے دفتر سے، تحصیلدار کے ٹیبل پر رکھے گئے قلمدان سے زوم
اوٹ Zoom Out کرتے ہوئے لانگ شارٹ پر قیصر اور بلقیس کو اندر
آتے ہوئے دکھائے گا)

تحصیلدار :جی ہاں۔

بلقیس :جی ہم وتستا کی سیر کر رہے ہیں۔ آپ سے وتستا کے کنارے پر آباد اس تاریخی
قصبے کے بارے میں کچھ جاننا چاہیں گے۔

تحصیلدار:ضرور۔ پوچھئے کیا پوچھنا ہے۔

قیصر :آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ اس قصبے کی آبادی کتنی ہے اور یہاں کے لوگ کن
پیشوں کے ساتھ وابستہ ہیں؟

تحصیلدار :اس قصبے کی آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے اور یہاں کے لوگ تجارت بھی کرتے
ہیں، سرکاری نوکری بھی، زمین زراعت کے پیشے کے ساتھ لوگوں کی قلیل
تعداد ہی وابستہ ہے۔ یہاں رہنے والے لوگوں میں کاریگروں کی ایک اچھی
خاصی تعداد ہے جن میں قالین بنانے والے، نمدہ ساز، رنگ ساز، سونار اور

دیگر کاریگر بھی شامل ہیں۔اس قصبے نے چند مشہور و معروف سیاسی شخصیات کو بھی جنم دیا ہے جن میں ریاست کے ایک سابقہ وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید بھی شامل ہیں۔1990 تک یہاں جوتش ودھیا نامی ایک ادارہ تھا جو ملک بھر مشہور تھا۔

شازی : یہاں کتنے تعلیمی ادارے ہیں۔

تحصیلدار : یہاں ایک سرکاری ڈگری کالج اور چار ہائر سیکنڈری سکول اور بی ایڈ کالج بھی ہے۔شرح تعلیم تسلی بخش ہے۔

قیصر : یہاں کے لوگوں کے مالی حالات کیسے ہیں؟

تحصیلدار : سب لوگ اپنے مکانوں میں رہتے بستے ہیں۔عمومی طور پر لوگوں کی مالی حالت ٹھیک ہی ہے۔

بلقیس : اس قصبے میں کون سے سرکاری دفاتر قائم ہیں۔

تحصیلدار : یہاں تحصیلدار کا دفتر ہے۔اس کے علاوہ زونل ایجوکیشن آفیسر، بلاک میڈیکل آفیسر، سوشل ویلفیئر آفیسر، ڈویژنل آفیسر الیکٹرک، ایگزیکٹو انجینئر پی ایچ ای اور کئی دیگر محکموں کے دفاتر بھی کام کر رہے ہیں۔

چھٹا منظر

(تحصیلدار اس آخری سوال کے جواب میں جن دفاتر کی بات کرے گا اُن کو پیش منظر میں رکھا جائے گا۔اس کے بعد کیمرا بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو چلتے چلتے بجبہاڑہ قصبے کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں)

بلقیس : تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ تقریباً ہر دور میں بادشاہوں کی توجہ کا مرکز رہا۔

قیصر : اس قصبے کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہاں جگہ جگہ تاریخی اور مقدس مقامات موجود ہیں۔

بلقیس : ہم جس تاریخی وجیشور مندر کا ذکر ابھی کر رہے تھے اس کی تعمیر نو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے کی ہے۔ کتابوں میں درج ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں تعمیر شدہ مندر میں جو پتھر استعمال کئے گئے ہیں وہ پرانے تیرتھ کے تھے۔

قیصر : مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ اس قصبے کا ایک شاندار مذہبی پس منظر ہے جسکی وجہ سے یہ ہمیشہ لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا۔

بلقیس : کتابوں میں درج ہے کہ وجیشور مندر کی پرانی عمارت گیارہ منزلہ تھی اور اس میں بیک وقت ہزاروں لوگ سما سکتے تھے۔ اس تاریخی مندر کے ساتھ ہی یہاں ایک عالی شان یونیورسٹی بھی تھی۔ جو کشمیر کی پہلی یونیورسٹی کہلائی جا سکتی ہے اس یونیورسٹی میں دنیا کے کونے کونے سے لوگ حصول علم کے لئے آتے تھے۔ (چند قدم خاموشی سے آگے بڑھنے کے بعد بلقیس پھر بولتی ہے) کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں دریا جہلم پر بارہویں صدی میں ایک تاریخی پل بھی تعمیر کیا گیا تھا۔

[پس منظر میں اذان کا تاثر ابھرتا ہے]

قیصر : یہ اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟

بلقیس : میرے خیال میں یہاں کی تاریخی جامع مسجد سے۔

قیصر : جامع مسجد کہاں ہے؟

بلقیس : چلئے جا کر دیکھتے ہیں۔

ساتواں منظر

(کیمرا مسجد کے اوپری حصے سے آہستہ آہستہ نیچے Tilt Down ہوتے ہوئے قیصر اور بلقیس کو فریم میں آتے ہوئے دکھائے گا۔)

بلقیس : یہ تاریخی مسجد 1415 عیسوی میں سلطان سکندر نے تعمیر کروائی تھی۔ قدیم

مسجد شریف کی مرمت حاجی عبدالغفار راولو نے 1884 اور 1885ء میں کروائی تھی۔ جدید مسجد شریف جس کی تعمیر وتجدید چند دہائیاں پہلے ہوئی ہے فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

قیصر :وہ زیارت گاہ کس بزرگ کے ساتھ وابستہ ہے؟

بلقیس :چلو وہیں جا کر دیکھتے ہیں۔

آٹھواں منظر

(کیمرا زیارت گاہ کی عکاسی مختلف زاویوں سے کرے گا۔ پس منظر میں سنطور کی مدھر دھن چلائی جائے گی۔ اس کے بعد بابا نصر الدین غازی کے آستان عالیہ کا متولی زیارت کے بارے میں بولے گا)

بلقیس :بجبہاڑہ کے قصبے میں کچھ دلچسپ اور حیران کن چیزیں قابل دید ہیں۔

قیصر :مثلاً

بلقیس :مثلاً شینکرِ نی مکہِ یعنی شنکر کی کلہاڑی۔

قیصر :کشمیری زبان کا یہ محاورہ میں نے کہیں سُنا ہے۔ لیکن اس کا مطلب کیا ہے وہ مجھے معلوم نہیں۔

بلقیس :ویسے تو یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ اسے تلمیح کہتے ہیں۔ اب اگر آپ پوچھیں گے کہ یہ تلمیح کیا ہوتی ہے تو اُس کے لئے الگ سے کلاس لینا پڑے گی۔ فی الحال آپ میرے ساتھ شینکرِ نی مکہِ دیکھنے کیلئے چلئے۔ (دونوں چلتے ہیں اور چلتے چلتے گفتگو کرتے ہیں)

بلقیس :روایت ہے کہ جب جامع مسجد بجبہاڑہ کی تعمیر کا کام ہو رہا تھا تو ایک پنڈت جسکا نام شنکر تھا بھی اس تعمیری کام میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تعمیر کا کام تکمیل کو پہنچا تو اہم کارکنوں اور کاریگروں کو انعامات اور تحایف سے نوازا گیا۔ شنکر کا نام بھی اِن کارکنوں میں شامل تھا۔ شنکر نے انعام لینے سے انکار کیا

بلکہ کہا کہ میری کلہاڑی کو مسجد کے ایک ستون میں بطور یادگار رکھا جائے۔ پھر ایسا ہی ہوا لیکن ایک عرصے کے بعد جب مسجد کی تعمیر و تجدید ہوئی تو منتظمین نے اس کلہاڑی کو نکالنا چاہا لیکن شنکر پنڈت اُن کے خواب میں آیا اور ایسا نہ کرنے پر اصرار کیا۔ نتیجے کے طور پر یہ کلہاڑی اب بھی اسی جگہ پر موجود ہے۔

قیصر :یہ دلچسپ کہانی یہاں کے ہندو مسلم بھائی چارے کی روشن مثال ہے۔

بلقیس :کاشُر انسائیکلو پیڈیا میں لکھا گیا ہے کہ شنکر نے پتھر کی بنی ہوئی ایک کلہاڑی بطور نذرانہ پیش کی تھی۔

قیصر: بہر حال کچھ بھی ہو۔ اصل بات تو یہی ہے کہ مذہبی رواداری کشمیریوں کی میراث کا ایک اہم حصہ ہے۔ خیر اب یہاں کی دوسری حیرت انگیز چیز یعنی کہہ کہہ پل دیکھیں گے کہہ کہہ پل دیکھنے سے پہلے لل تراگ کو تلاش کریں گے۔

(دونوں چلتے ہوئے فریم آؤٹ ہوتے ہیں)

(کیمرا ایک متحرک اور گھماؤ والے شارٹ کے ذریعے لل تراگ کو منعکس کرتے ہوئے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا)

بلقیس :کہا جاتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں لل دید کے آثار دفن ہیں۔ روایت ہے کہ یہیں پر انہوں نے ایک برتن پاؤں کے نیچے اور ایک سر پر رکھ لیا تھا اور پھر وہ غایب ہوئی تھی۔

بہر حال لل دید کے بارے میں اس طرح کی کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اُن کا انتقال بھی اسی قصبے میں ہوا تھا اور آخری رسومات بھی یہیں پر انجام دی گئی تھیں۔

قیصر :کیوں نہ اب "کہہ کہہ پل" دیکھنے کے لئے چلیں۔

بلقیس :وہ طلسماتی پتھر اب وہاں پر موجود نہیں ہے۔

قیصر :ہائے کیوں؟ میں نے تو وہ صرف چند برس پہلے دیکھا تھا۔

بلقیس :آپ نے صرف دیکھا تھا لیکن ہم نے کہہ کہہ پڑھ کر اُسکو اوپر بھی اٹھایا تھا لیکن پچھلے چند برسوں کے دوران یہ اہم طلسماتی پتھر اس قصبے سے غائب

ہوگیا۔

قیصر : بہت بری خبر ہے۔تو پھر چلو یہاں کے مشہور تاریخی باغ باغِ داراشکوہ میں چند لمحے گزار لیں۔

(قیصر اور بلقیس چلتے چلتے فریم آوٹ ہوجاتے ہیں)

دسواں منظر

(کیمرا باغ دارہ شکوہ کے مختلف گوشوں کو منعکس کرے گا۔پس منظر میں ہلکی موسیقی چلائی جائے گی اور اسی دوران قیصر اور بلقیس فریم میں داخل ہوں گے)

بلقیس : یہ باغ مشہور مغل شہزادہ داراشکوہ نے 17 ویں صدی عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔جہلم کے کناروں پر واقع یہ خوبصورت باغ فطری حسن کے شیدائیوں کیلئے باعث کشش ہے ۔اس باغ میں کشمیر کا قدیم ترین چنار آج بھی موجود ہے۔باغ میں بنے دو تالاب چار نہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔باغِ داراشکوہ کو وزیر باغ بھی کہتے ہیں۔یہاں مناظر قدرت کے ساتھ ساتھ تاریخی آثار بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

(پرانے پل کے نزدیک چوکور پتھر پر لکھی ہوئی فارسی عبارت کی عکس بندی کو پیش کیا جائیگا)

بلقیس : قصبہ بجبہاڑہ کا ایک شاندار ادبی پس منظر ہے۔میں نے اسی قصبے کے ایک معروف شاعر اور ادیب موہن لال آش صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ''بجبہاڑہ'' پڑھی ہے ۔اس کتاب میں آش صاحب نے بجبہاڑہ کے ادبی مشاہیر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ کلہن نے مشہور راج ترنگنی اسی قصبے میں لکھی تھی۔

قیصر : لیکن کلہن یہاں پیدا نہیں ہوئے تھے۔

بلقیس : آش صاحب کی رائے بھی توجہ طلب ہے وہ یوں رقمطراز ہیں:

''میرا اندازہ ہے کہ کلہن کی راج ترنگنی بھی بجبہاڑہ میں ہی لکھی گئی ہے۔وہ اس

طرح سے کہ ہرش کلہن کے وفادار وزیر چمپک کا بیٹا تھا۔چمپک اپنے راج کے آخری دنوں میں اسی کے ساتھ رہا ہے اور چونکہ ہرش نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ وجیشور میں ہی گذارا ہے۔قدرتی امر ہے کہ کلہن بھی اپنے باپ کے ساتھ بجبہاڑہ میں رہا ہوگا۔"

قیصر :۔بہرحال یہ قیاس آرائی ہے۔

بلقیس :۔جہاں تاریخی ماخذ موجود نہیں ہوتے ہیں وہاں پر بہرحال عقل ودانش سے کام لے کر کچھ چیزیں اخذ کرنا پڑتی ہیں۔

قیصر :مگر ان کو مستند نہیں مان سکتے ہیں۔

بلقیس :نہیں۔وہ کیسے۔

قیصر :ویسے یہ کتاب آپ مجھے پڑھنے کیلئے دے دینا۔

بلقیس :ضرور دے دوں گی ۔اس کتاب میں آش صاحب نے للہ دید ،یاسمن ریشی ،حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ، بابا شیخ فتح الدینؒ، بابا عارف باللہ غفار صاحبؒ، حکیم محمد جوٹاک ،صوفی بزرگ اکہ صاحب شورہ گرو، شری مہتاب کاک، میشیر ناتھ جی فرصل، مفتی محمد خضر مقبل اور عبدالاحد ناظم کے بارے میں تفصیلی واقفیت بہم پہنچائی ہے ۔ان سب شخصیات کا تعلق اسی قصبے سے رہا ہے۔عصرِ حاضر میں بھی اس قصبے نے ارجن دیو مجبور، سید رسُل پونپر، پروفیسر غلام محمد شاد، پروفیسر بشیر احمد نحوی، اومکار ناتھ شبنم اور موہن لال آش جیسے شاعر اور ادیب پیدا کئے ہیں جن کی درجنوں کتابیں اب تک چھپ چکی ہیں۔

قیصر :اچھا ہوا کہ ہم یہاں آگئے ایسے تاریخی مقامات کو دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

بلقیس :میری بات مان گئے نا آپ۔

قیصر :کون سی بات۔

بلقیس :وہی کہ گوا اور ممبئی میں رکھا کیا ہے۔اپنی اس مقدس زمین کے عظیم سپوتوں کو صحیح

تناظر میں دریافت کرنا اور ریشیوں اور منیوں کی اس شاندار سرزمین کی عظمت رفتہ کو کھنگالنا ہمارے لئے سب سے زیادہ فائندہ مند بھی ہوگا اور دلچسپ بھی۔

(اس کے ساتھ ہی اس دستاویز ڈرامہ کی یہ چوتھی قسط اختتام کو پہنچتی ہے)

وتستا کی سیر!

قسط 5

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	رمضانہ	55سال
4	ایک کسان	45سال
5	دوسرا کسان	50سال
6	ڈرائیور	45سال
7	راوی	50سال

پہلا منظر (ا)

(شکارہ دریا میں چلتا جارہا ہے۔شکارے میں قیصر اور بلقیس رومانوی انداز میں بیٹھے ہوئے ہیں رمضانہ چپو چلاتے ہوئے عبدالاحد آزاد کی مشہور و معروف نظم دریاء کا یہ بند گاتا ہے)

کمن سنگین تلاین تہٕ بلاین پان چھاوان چھُس
پُنن چھکر اونہٕ آمت کُنبر پیہ سوٚمبراوان چھُس
ژٕتان سنگر تہٕ ٹھاسان بال پھیران جنگلس اندر
یوان چھُم زندگی ہند سوز سفرن منزلن اندر
ژلان چھُم شر حُبان اضطرابن ولولن اندر
یوان چھُم زندگی ہند سوز سفرن منزلن اندر

بلقیس : دیکھئے ذرا کہ میں کس طرح سنگلاخ رکاوٹوں اور دشواریوں سے صف آرا ہوکر، پہاڑوں سے ٹکرا کر، پتھروں کو چیر کر اور جنگلوں کو سر کرنے کے بعد اپنی بکھری ہوئی وحدت کو دوبارہ سمیٹ رہا ہوں۔ مجھے زندگی کا لطف مسافتیں اور منزلیں طے کرنے میں ہی آتا ہے۔ واہ رمضان چاچا واہ......

قیصر: کیا شعر ہے کس طرح سے شاعر نے دریاء کی زبانی زندگی کے تلخ حقائق بیان کئے ہیں۔

بلقیس: مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ آہستہ آہستہ شاعرانہ نزاکتوں سے لطف اندوز ہونے لگے ہیں۔

قیصر: تم جیسی شعر شناس اور سخن فہم ساتھی کا ساتھ ہو تو کچھ نہ کچھ اثر ہم پر پڑے گا ہی

(ہنستے ہوئے) اوراس پرطرہ یہ کہ رمضان چاچا بھی کچھ کم نہیں۔ان کی آواز سے پوری فضا گونج اٹھتی ہے اور مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے سارا ماحول جھوم رہا ہو۔

بلقیس: آپ تو باتوں باتوں میں ہی شاعری کرنے لگے۔اگر یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا تو اس سیر کے اختتام تک آپ بھی شاعر بن چکے ہونگے۔پھر صرف ایک تخلص ڈھونڈنا ہوگا آپ کے لئے۔

قیصر: (ہنستے ہوئے) تمہاری رہبری حاصل رہی تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔خیر چھوڑ دو یہ مذاق، یہ بتاؤ کہ ہم اس وقت کہاں پر ہیں؟

بلقیس: مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے (رمضانہ کی طرف مخاطب ہوکر) رمضان چاچا ہم کہاں پہنچے؟

رمضانہ: جی ہم سنگم پہنچ رہے ہیں۔

قیصر: سنگھم ملنے کی جگہ (ہنستے ہیں)

بلقیس: کشمیری میں سنگھم اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں دو یا دو سے زیادہ، دریاء یا ندیاں یا نالے آپس میں ملتے ہیں۔دریائے جہلم ویری ناگ سے کھادنیار تک ایسے چھتیس سنگھم بناتا ہے۔

قیصر: (حیران ہوکر) چھتیس سنگھم! کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

بلقیس: ہاں چھتیس سنگھم لیکن ان میں سے دو سنگھم تاریخی لحاظ سے بڑے اہم مانے جاتے ہیں۔ایک شادی پورہ کا سنگھم اور دوسرا یہ والا سنگھم۔

قیصر: اس سنگھم کا نام کیا ہے؟

بلقیس: اس کا روایتی نام گھمبیر سنگھم ہے لیکن اب اسے لوگ سنگھم نام سے ہی جانتے ہیں۔یہ سنگھم زیادہ تر ان دنوں خبروں میں رہتا ہے جب دریائے جہلم میں طغیانی آجاتی ہے کیونکہ اس جگہ پر پانی کی سطح ناپی جاتی ہے۔اس سنگھم کے مقام پر جہلم کیساتھ دو بڑے نالے ویشو اور رمبہ آرہ ملتے ہیں۔اس سنگھم کی ایک مذہبی اور تاریخی اہمیت ہے جو آج کل کے کشمیریوں میں سے بہت کم جانتے ہیں۔راج ترنگنی میں ایسے بہت سارے راجاؤں کا ذکر ملتا ہے جنہوں

نے گمبھیر سنگھم کے مقام پر خانقاہیں اور منادر بنوائے تھے تاہم یہاں پر اب کوئی بھی تاریخی آثار نظر نہیں آتے ہیں ماسوائے گھمبیر سوامی مندر کے چند معمولی آثار کے۔

دوسرا منظر

(دھان کے کھیتوں پر کیمرا فوکس ہوگا جہاں عورتیں دھان کی پنیری لگا رہی ہیں۔ یہ عورتیں مل کر لوک گیت گا رہی ہیں۔ کیمرا اس منظر کو کاٹ کر شکارہ پر فوکس ہوگا۔)

پہلا منظر (ب)

قیصر: یہ گانے کی آوازیں کہاں سے آرہی ہیں۔

رمضانہ: گاؤں کی سبھی عورتیں کھیتوں میں کام کرتی ہیں اور کام کرنے کے ساتھ ساتھ گانا بھی گاتی ہیں۔

قیصر: واہ کیا بات ہے۔

بلقیس: کشمیری لوک ادب کا بیشتر حصہ ان ہی کشمیری گیتوں پر مشتمل ہے جن کی خالق یہاں کی سیدھی سادھی اوران پڑھ عورتیں ہیں۔

قیصر: ہاں ہمارے ونہ ؤن اور روٗف میں کشمیری عورتوں نے ہماری تہذیب اور ثقافت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

بلقیس: ننبد بأتھ بھی لوک شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ایک ایسا گیت جو گاتے گاتے ہمارے کسان بھائی اور بہنیں تازہ دم ہوجاتے ہیں اوران کے چہرے پر تھکاوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

قیصر: بے شک

بلقیس: چلئے اب چلتے ہیں۔
قیصر: کہاں؟
بلقیس: کھیتوں میں۔
قیصر: کیوں وتستا کو اکیلی چھوڑ دو گی کیا (ہنستا ہے)
بلقیس: نہیں تو۔ وتستا میری جان ہے اور ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی ہے۔
قیصر: کھیتوں میں اس کو کیسے ساتھ لو گی؟
بلقیس: وہ تو پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے۔
قیصر: بھلا کیسے؟
بلقیس: اُن کھیتوں میں جو پانی ہے آپ کو پتہ ہے کہ کہاں سے آتا ہے......؟ یہ وتستا کا پانی ہے۔
قیصر: اچھا ایسا ہے۔
بلقیس: یہ میری وتستا کشمیری تمدن کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ (گیت کی آواز نمایاں سی ہو جاتی ہے) ہر رنگ میں جلوہ گر ہے۔
قیصر: چلو ہم کھیتوں میں جا کے دیکھ لیں گے اور نزدیک جا کر سن لیں گے یہ میٹھے بول اور مدُھر مدھر آوازیں۔
بلقیس: رمضان چاچا لے جاؤ شکارہ کنارے کی جانب۔
(رمضان چاچا شکارے کا رخ کنارے کی طرف موڑ دیتا ہے)

تیسرا منظر

(کیمرا دھان کے کھیتوں کو لمبے شارٹ پر عکس بند کرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو دھان کے لہلہاتے کھیتوں کے درمیان ایک جگہ کھڑے ہیں اور گفتگو کر رہے ہیں)

بلقیس :زراعت کے پیشے کے ساتھ وابستہ لوگوں کا ماننا ہے کہ وتستا کے بغیر کشمیر میں زندگی کا تصور ناممکن ہے۔

قیصر :بالکل صحیح ہے......چلو اُدھر چل کر ان کسان بھائیوں سے ملتے ہیں وہ ذرا ستا رہے ہیں۔

(قیصر اور بلقیس چائے پی رہے کسانوں کے نزدیک پہنچ سلام کرتے ہیں)

قیصر :السلام علیکم

ایک کسان: وعلیکم سلام

دوسرا کسان: صاحب لوگ کہاں سے آئے ہیں؟

قیصر: سری نگر سے آئے ہیں۔

دوسرا کسان: خیریت ہے نا

قیصر: ہاں بالکل ٹھیک ہے۔اپنی اس شاندار سرزمین کو دیکھنے کے شوق میں گھوم رہے ہیں۔اچھا ہے نا۔اپنے دیہاتی بھائی بہنوں سے مل رہے ہیں۔

دوسرا کسان: بہت اچھی بات ہے صاحب۔

بلقیس: ان کھیتوں کی سینچائی جس پانی سے ہوتی ہے وہ کہاں سے آتا ہے؟

دوسرا کسان: دریاء جہلم سے۔پچھلے سال جہلم میں پانی کم ہو گیا تھا تو ہمیں بہت پریشانیاں ہوئی تھیں۔

قیصر: اس سال کیسا ہے؟

دوسرا کسان: ٹھیک ہے لیکن پھر بھی کم ہی ہے۔

قیصر: موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے انسان کو گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

بلقیس: بنیادی طور پر یہ سب کچھ انسان کا اپنا ہی کیا کرایا ہے۔

قیصر: بالکل سچ......اچھا اب چلیں گے اجازت دیجئے۔

دوسرا کسان: صاحب چائے پی لیجئے۔

قیصر: بہت بہت شکریہ۔دیر ہو رہی ہے ہمیں

(قیصر ایک دم کھڑا ہو کر بلقیس کو بھی اٹھنے کا اشارہ دے کر چلنے لگتا ہے۔ ان دونوں کو کیمرا دور تک فالو کرتا ہے اس دوران بلقیس اور قیصر کے درمیان یہ مختصر سی گفتگو ہوتی ہے)

بلقیس: آپ نے اتنی جلدی کیوں کی؟

قیصر: اس لئے کہ تباہی کی بات چلی (رُک کر) پتہ نہیں مجھے کیوں لگا کہ قصور ہمارا ہی ہے۔ ہم شہر والوں کا۔

پہلا منظر (ب)

(بلقیس اور قیصر دریا کی جانب چلتے ہوئے۔ کیمرا شکارہ میں لیٹے رمضانہ پر فوکس ہوگا جو گنگنا رہا ہے)

ویسی کار مشکل بارگوب گوم وبتر اُون پیوم

گلالہِ پانس کالہِ رنگ گوم وبتر اُون پیوم

(رمضانہ نظریں آہستہ آہستہ کنارے کی طرف اٹھاتا ہے بلقیس اور قیصر نزدیک پہنچتے ہیں۔)

رمضانہ: آ گئے آپ؟

قیصر: ہاں آ گئے! لیکن بہت تھکاوٹ ہوئی۔

رمضانہ: کہاں کہاں گئے تھے؟

بلقیس: کھیتی باڑی کا کام کر کے آئے۔

(بلقیس اور قیصر شکارے میں آرام کرنے کے انداز میں بیٹھ جاتے ہیں)

رمضانہ: اب کہاں جانا ہے صاحب؟

بلقیس: آپ آگے چلئے۔ اگر کہیں کوئی لفٹ اریگیشن پمپ ہوگا تو وہاں روک لینا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ہمارے ناشکرے لوگ وِتستا کی برکتوں کو کیسے بانٹ رہے ہیں۔

رمضانہ: پمپ تو بالکل آگے ہے آپ شور نہیں سن رہے ہیں؟ ابھی پہنچا دوں گا آپ کو۔ لیکن آپ نے لوگوں کو ناشکرے کیوں کہا؟

بلقیس: ناشکرے نہیں کہیں گے چاچا تو اور کیا۔ آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کتنی پوتر ہے ہماری وتستا اور کتنی مہربان ہے یہ ندی ہم پر لیکن اس کے باوجود بھی لوگ کتنی گندگی اس میں ڈال دیتے ہیں۔ توبہ توبہ۔

قیصر: یہ واقعی بہت غلط بات ہے۔ لوگ اب بیت الخلا تک دریا کے کناروں پر بناتے ہیں۔

بلقیس: اور ان کو یہ احساس ہی نہیں کہ بہت سارے علاقوں کے لوگ اب بھی وتستا کا پانی ہی پی رہے ہیں۔ کیا وہ انسان نہیں ہیں اور ان بے چاروں کی صحت پر یہ گندہ پانی پی کر کتنا برا اثر پڑ رہا ہوگا اس کا کسی کو احساس ہی نہیں۔

رمضانہ: ہائے ایک زمانہ وہ بھی تھا جب لوگ وتستا کا پانی بیماریوں سے شفایاب ہونے کے لئے پیتے تھے۔

بلقیس: ہم اپنی بیش بہا وراثت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں کہ کیا ہوگیا ہے ہمیں۔

رمضانہ: جی وہ......وہاں آگے ارگیشن پمپ ہے۔

قیصر: تو چلو چلتے ہیں۔

بلقیس: موڈ خراب ہو رہا ہے۔

قیصر: (ہنستے ہوئے) پمپ دیکھ کر ضرور ٹھیک ہوگا۔

(ہنس رہے ہیں)

(چوتھا منظر)

(کیمرا پمپ سے پل آوٹ Pull Out کر کے بلقیس اور قیصر کو پمپ شیڈ کے اندر جاتے ہوئے دکھائے گا۔ اس کے بعد یہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ

باتیں کرتے ہیں۔)

بلقیس: اس ایک پمپ سے کتنی زمین سیراب ہوتی ہے؟

ڈرائیور: .... جناب ایک پمپ سے سینکڑوں کنال زمین سیراب ہوتی ہے۔

قیصر: ایسے کتنے پمپ ہوں گے اس علاقے میں؟

ڈرائیور: دس سے زیادہ ہوں گے۔

بلقیس: اگر یہ پمپ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟

ڈرائیور: تباہی ہوگی۔ شالی کی فصل بالکل نہیں اُگے گی۔

قیصر: یہ پمپ لگنے سے یہاں کے کسان لوگ کیا محسوس کر رہے ہیں؟

ڈرائیور: راحت ہی راحت۔ کسانوں کے لئے پانی کا ہونا کتنا ضروری ہے یہ وہی محسوس کر سکتا ہے جو خود کھیتی باڑی کا کام کرتا ہو۔ آپ کو یہ سب سمجھ نہیں آئے گا صاحب۔

(اس کے بعد پمپ چلتا رہے گا۔ کیمرا مختلف زاویوں سے اس کی عکس بندی کرے گا۔ اس دوران پس منظر میں ہلکی موسیقی چلے گی)

پانچواں منظر

(بلقیس، قیصر اور ڈرائیور شیڈ کے باہر گفتگو کر رہے ہیں)

بلقیس (ڈرائیور سے مخاطب ہو کر) آپ کا بہت بہت شکریہ۔

ڈرائیور: شکریہ جناب

(بلقیس اور قیصر چلتے ہیں کیمرا ان کو Follow کرے گا۔ بیچ میں ڈرائیور کے تاثرات کو منعکس کیا جائے گا)

پہلا منظر (ج)

(دریا کے کنارے کے نزدیک بلقیس اور قیصر شکارہ میں داخل ہونے کے بعد بیٹھ جاتے

ہیں)

رمضانہ: آ گئے آپ؟

بلقیس: ہاں آ گئے۔

رمضانہ: کیسا لگا۔

بلقیس: بہت اچھا۔ ہمارے پاس قدرت کے قیمتی خزانے ہیں۔ اگر ہم اس سائنسی دور میں ان کا صحیح طریقے سے استعمال نہیں کر پاتے ہیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔

قیصر: رمضان چاچا اب کیا ارادہ ہے؟

رمضانہ: جیسے حکم ہوگا۔

بلقیس: رمضان چاچا آپ یہ بار بار حکم کرنا وغیرہ کیوں کہتے ہیں ۔آپ میرے چاچا نہیں ہیں کیا؟

رمضانہ: جیتی رہو بیٹی۔ جیتی رہو۔ میں ہمیشہ اللہ سے یہی دعا مانگتا ہوں کہ وہ آپ دونوں کی جوڑی کو صدا سکھی اور سلامت رکھے۔

بلقیس: آمین

رمضانہ: اب ہمارا دوسرا پڑاؤ اونتی پورہ ہوگا۔

بلقیس: واہ کیا تاریخی قصبہ ہے اونتی پورہ!

راوی: اس کے بعد بلقیس، قیصر اور رمضانہ دریا کا سفر کرتے کرتے اونتی پورہ کی تاریخی بستی میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں وہ سب سے پہلے سڑک کے کنارے پر واقعہ تاریخی آثار دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔

چھٹا منظر

(کیمرا اونتی پورہ کے تاریخی مندر کی عکس بندی مختلف زاویوں سے کرنے کے بعد آہستہ آہستہ قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوتا ہے جو مندر کے آثار کو غور سے دیکھ رہے ہیں)

بلقیس: اونتی پورہ قصبے کے بارے میں تاریخی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ اس جگہ کو راجہ اونتی ورمن نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا تھا۔ راجہ اونتی ورمن 885 عیسوی میں سلطانِ کشمیر بنا اور 933 عیسوی تک لگاتار کشمیر پر حکومت کرتا رہا۔ مورخین نے راجہ اونتی ورمن کو ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے بہت سارے کام انجام دیئے۔ جنگ کی پالیسی ترک کر کے ملک میں امن واستحکام کی فضا قائم کی۔

قیصر: میں نے کہیں پڑھا ہے کہ وہ علم وادب کا زبردست قدرداں تھا۔

بلقیس: ہاں۔ کلہن نے راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ اس کے دربار میں علماء، شعراء اور مورخین کی زبردست عزت کی جاتی تھی۔ مکتا پیڈ، شیو سوامی، آنند وردھن جیسے بلند پایہ سنسکرت شعراء اور علماء ان کے دربار میں رہتے تھے۔

قیصر: انہوں نے لوگوں کی بھلائی کے لئے بھی بہت سارے کام کئے ہونگے۔

بلقیس: تواریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ جب اونتی ورمن سلطان کشمیر کے تخت پر بیٹھا تو اس وقت یہ ملک ایک سیلابی ملک بن گیا تھا۔ دریائے جہلم میں بار بار طغیانی آنے کی وجہ سے لوگوں کی حالت انتہائی دردناک بن چکی تھی۔ قحط سالی میں اس قدر شدت آگئی تھی کہ ایک خروار شالی ایک ہزار دینار میں بکتی تھی۔

قیصر: (حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے) یہ باتیں ناقابل یقین لگتی ہیں۔

بلقیس: چند تاریخ دانوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اونتی ورمن کے دورِ حکومت میں کشمیر میں ایک شدید زلزلہ آیا جس سے کھادنیار کے مقام پر پہاڑ نیچے گر گیا۔ پہاڑ کے نیچے گر جانے سے دریا کے پانی کا بہاؤ سست پڑ گیا۔ ہر طرف سیلابی صورتحال پیدا ہوئی۔ جس سے لوگ ایک شدید مصیبت کی زد میں آگئے۔ اسی اثناء میں اس کے ایک درباری انجینئر سُیا کو ایک ترکیب سوجھی۔

قیصر: یہ وہی حکیم سیا تو نہیں جن کے نام پر سوپور کا قصبہ آباد ہے۔

بلقیس: ہاں۔ بالکل وہی ہے۔ کہتے ہیں کہ حکیم سیا نے دریا میں جگہ جگہ پیسوں کے سکے پھینکوائے۔ لوگ چونکہ بہت غریب تھے اسلئے انہوں نے ان پیسوں کی

تلاش میں دریا کی تہہ سے بہت مٹی اٹھا کر کناروں پر پھینک دی۔ اِس دریاء کی کھُدائی بھی ہوئی اور اس کے کنارے بھی بلند ہوئے۔ اس طرح سے سیلاب کا خطرہ ٹل گیا اور کشمیر کی رعایا اطمینان کی سانس لینے لگی۔

قیصر: بڑا دلچسپ دور رہا ہے اونتی ورمن کا۔

بلقیس: اونتی ورمن کے بارے میں جب میں نے کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے سربراہ کے ساتھ ایک دن بات کی تو انہوں نے کچھ ایسی معلومات فراہم کیں جو مجھے اب بھی اچھی طرح سے یاد ہیں۔

(فلیش بیک تکنیک کے ذریعے بلقیس کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے موجودہ یا کسی اور سابقہ سربراہ کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے دکھائی جائے گی)

(بلقیس جو سوالات پوچھے گی وہ کچھ اس قسم کے ہوں گے:

بلقیس (ا): راجہ اونتی ورمن کے دور کے بارے میں کشمیری عوام میں کچھ دلچسپ کہانیں دُہرائیاں جاتی ہیں۔ میں اس دور کے بارے میں آپ سے کچھ جاننا چاہتی ہوں۔

بلقیس (ب): اس دور کی تاریخی تعمیرات کے بارے میں بھی آپ مجھے کچھ بتائیں!

بلقیس (ج): حکیم سیا نے اونتی ورمن کے دور میں کیا اہم کارنامہ انجام دیا ہے؟

(بلقیس اور پروفیسر کی باہمی گفتگو کے بعد فلیش بیک ٹوٹ جائے گا اور پھر وہی پچھلا منظر)

قیصر: جو کھنڈرات ہم یہاں دیکھ رہے ہیں لگتا ہے کہ یہ عبادت گاہوں کے آثار ہیں۔

بلقیس: ماہرین کا خیال ہے کہ یہاں صرف اونتی سوامن مندر اور اونتی ایشور مندر کے آثار موجود ہیں۔ باقی سب آثار مٹ چکے ہیں۔ اونتی ایشور مندر ایک شیو مندر ہے اور اسے راجہ اونتی ورمن نے گدی سنبھالنے کے بعد تعمیر کرایا۔

قیصر: بہت بڑا اور کشادہ مندر!

بلقیس: ہاں تقریباً دو سو فٹ لمبا اور پورے دو سو فٹ چوڑا۔

قیصر: مندر کے کھنڈرات ایک عظیم اور عالیشان عمارت کا خاکہ پیش کرتے ہیں لیکن اس عالیشان عمارت کی خستہ حالت ناگفتہ بہ ہے۔

بلقیس: کہا جاتا ہے کہ کچھ مدت پہلے تک یہ مندر مکمل طور پر زمین کے نیچے غائب تھا۔ ابتدائی کھدائی کے دوران اس مندر کے ستونوں کا اوپری حصہ نمایاں ہوا۔

قیصر: پھر..........پھر کیا ہوا؟

بلقیس: کھدائی کا کام روک دیا گیا۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر 1914ء میں دیا رام ساہنی کی نگرانی میں یہاں زمین کی کھدائی پھر ہوئی جس سے نہ صرف اونتی ایشور مندر بلکہ اونتی سوامن مندر بھی نمایاں ہوگیا۔

قیصر: مندر کے چاروں طرف شاندار ستونوں کی دیوار ہے۔

بلقیس: اصلی تیرتھ صحن کے بیچ میں اس چوکور پلیٹ فارم پر ہے۔

قیصر: اس پر چڑھنے کے لئے چاروں جانب سے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

بلقیس: صحن میں ان ٹوٹے پھوٹے پتھروں کو غور سے دیکھو۔ جی چاہتا ہے کہ معمول کے سبھی کام چھوڑ کر ان پتھروں کے پس منظر پر تحقیق کر کے عظیم یادگاروں کے پیچھے سینکڑوں سربستہ رازوں کو منظر عام پر لاؤں۔

قیصر: کیا سنگ تراشی ہے! یہ دیکھو ایک سجائے ہوئے تخت پر ایک ناچتی ہوئی لڑکی۔

بلقیس: اور اس کے ساتھ دو شیر اور ایک ہاتھی۔

قیصر: مندر کے آثار راجہ اونتی ورمن کے نفاست پسند ہونے کی عکاسی کرتے ہیں۔

بلقیس: یہ مندر آج بھی دیش بدیش سے آئے ہوئے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بنا رہتا ہے۔

قیصر: اونتی سوامن مندر کہاں ہے؟

بلقیس: وہ یہاں سے آدھ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

قیصر: وہاں نہیں چلنا ہے کیا۔

شازی: ہاں کیوں نہیں آیئے چلتے ہیں۔

ساتواں منظر

(کیمرا اونتی سوامن مندر کی عکاسی مختلف زاویوں سے کرنے کے بعد بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوتا ہے جو مندر کے بارے میں محو گفتگو ہیں)

بلقیس: یہ مندر راجہ اونتی ورمن نے شاہی تخت سے اترنے کے بعد بنوایا تھا۔

قیصر: یہ مندر اگر چہ اونتی ایشور مندر سے چھوٹا ہے لیکن ذرا محفوظ معلوم ہوتا ہے۔

بلقیس: صحیح بات ہے۔

قیصر: مندر کے چاروں طرف پتھروں کی عالیشان دیوار ہیں۔

بلقیس: دیواروں پر ویشنو اور اس کے رفقاء کی تصویریں دلکش انداز میں نقش کی گئیں ہیں۔

قیصر: وہ دیکھو کیا عجیب منظر ہے۔

بلقیس: ہاں ہاں گنگا اور جمنا کو چھوئے اور مگر مچھ پر سوار ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

قیصر: اُدھر بادشاہ اور اس کی دو ملکائیں ایک شیر نما تخت پر خوش وخرم دکھائی دے رہے ہیں۔

بلقیس: بہر حال ایک بات بڑی اہم ہے کہ اونتی ایشور مندر اور اونتی سوامن مندر کی تعمیر ایک جیسی ہے یہ قندھار طرز تعمیر کا ڈورک طرز کہلاتا ہے۔

قیصر: کھنڈر بتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔

بلقیس: وقت وقت کی بات ہے۔ایک دور میں اونتی پورہ کا یہ قصبہ کشمیر کی راجدھانی تھی۔اونتی ورمن کے فوت ہونے کے فوراً بعد اونتی پورہ کی یہ تاریخی جگہ عدم توجہی کی شکار ہوگئی۔اونتی ورمن کے بیٹے شنگر ورمن نے بھی اس طرف کوئی خاص دھیان نہیں دیا۔

قیصر: اس کی کیا وجہ تھی؟

بلقیس: سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ شنکر ورمن نے پٹن کو اپنی قرارگاہ بنایا تھا اور عجیب اتفاق ہے کہ پٹن جو علاقہ کمراز میں واقع ایک قصبہ ہے شہرِ سرینگر سے تقریباً اتنا ہی دور ہے جتنا کہ مراز علاقہ میں واقع اونتی پورہ کا یہ علاقہ ہے۔

آٹھواں منظر

(سنطور کے ساز پر بجنے والے مدھم سروں کے ساتھ اونتی پورہ میں واقع زیارت گاہ کی عکس بندی مختلف زاویوں سے کی جائے گی۔ آخر پر ٹلٹ ڈاؤن Tilt down شارٹ کے ذریعے بلقیس اور قیصر سڑک کی طرف سے آتے ہوئے فریم میں داخل ہوں گے)

بلقیس: یہ زیارت تقریباً ہر اُس شخص نے دیکھی ہوگی جس نے جموں سرینگر قومی شاہراہ پر ایک بار بھی سفر کیا ہو کیونکہ جب کشمیری لوگ خاص کر جموں کے دشوار گزار پہاڑی راستے کے سفر پر نکل جاتے ہیں تو یہاں سے روانہ ہوتے وقت نذرانہ پیش کر کے سلامتی کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

قیصر: اس زیارت کے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟

بلقیس: یہ زیارت گاہ حضرت سید حسن منطقیؒ کے ساتھ وابستہ ہے۔

قیصر: حضرت منطقیؒ کا تعلق کس دور سے تھا اور ان کے بارے میں تم میری واقفیت میں اور کیا کیا اضافہ کر سکتی ہو؟

بلقیس: سید حسن منطقیؒ کا تعلق بیہقی سادات کے ساتھ ہے۔ اُن کے والد شہمیری خاندان کے مشہور بادشاہ سلطان سکندر کے دور میں کشمیر آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو سلطان سکندر کے فرزند اور کشمیر کے عظیم بادشاہ سلطان زین العابدین بڈشاہ نے گود لیا تھا۔

قیصر: اچھا......!

بلقیس: خواجہ حسن منطقیؒ کے بڑے برادر محمد امین اویسی بھی ایک صاحب حال صوفی بزرگ تھے۔ اُن کے نام کے ساتھ اشم سوناواری میں بالکل جہلم کے کنارے پر واقع ایک جگہ وابستہ ہے جسے ووسی کھن کہتے ہیں جب ہم اس سفر کے دوران وہاں پہنچ جائیں گے تو میں وہ جگہ آپ کو ضرور دکھادوں گی۔

قیصر :واہ......کیا بات ہے۔اچھا یہ بتایئے حضرت منطقیؒ اور اونتی پورہ کا کیا تعلق رہا ہے؟

بلقیس :دراصل اُنہوں نے اس تاریخی بستی میں تبلیغ دین پر زیادہ وقت صرف کیا تھا۔ اُن کا انتقال بھی اسی جگہ پر ہوا۔عقیدت مندوں نے انتقال کے بعد اُن کی قبر پر ایک روضہ تعمیر کرایا جو اب زیارت گاہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

قیصر :(زیارت گاہ کے بالکل سامنے) زیارت گاہ بھی بڑی عالیشان ہے۔ دیکھو اس کی چھ طبقوں والی چھت کتنی خوبصورت ہے۔

بلقیس :کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ چھت بوجھ پتر کی تھی بعد ازاں اس پر ٹین کی چادریں بچھا دی گئیں۔

قیصر :زیارت کے اندر ختم بند کی بنی سپاٹ چھت بھی نہایت ہی خوبصورت ہے۔

بلقیس :بہر حال میں اسے علاقہ اونتی پورہ کے لوگوں کی خوش نصیبی سمجھتی ہوں جن کو اتنی بڑی روحانی شخصیت کے فیوض مل رہے ہیں۔

(اسی کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

نواں منظر

(کیمرا قصبۂ اونتی پورہ کو مختلف زاویوں سے منعکس کر کے گھماؤ شارٹ کے ذریعے آہستہ آہستہ قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا)

قیصر: یہ علاقہ تحصیل ترال کا ایک مشہور قصبہ ہے اور یہاں کے لوگوں کا پیشہ زراعت کے ساتھ ساتھ سرکاری نوکریاں اور تجارت ہے۔

بلقیس: سرینگر کے جنوب میں چھبیس کلومیٹر کی دوری پر واقع یہ قصبہ واقعی ایک شاندار قصبہ ہے۔ہم یہاں کے باشندوں سے نہیں ملے۔

قیصر: ملنا چاہیئے۔اُدھر مسجد کے قریب کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔

دسواں منظر

(بلقیس اور قیصر کو چلتے ہوئے دکھایا جائے گا اور اس کے بعد کیمرا مسجد کی عکس بندی مختلف زاویوں سے کرے گا۔ قیصر اور بلقیس کو فریم میں داخل ہوتے ہوئے دکھایا جائے گا)

قیصر :میرے خیال میں وہاں جا کر ان سے بات کریں گے اور ساتھ ہی اس شاندار مسجد کو بھی دیکھ لیں گے۔

بلقیس :یہ مسجد جدید فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔

قیصر :واقعی یہ فن تعمیر کا ایک قابل دید نمونہ ہے۔

(اس کے بعد بلقیس اور قیصر مقامی لوگوں کے ساتھ اُن کے مقامی مسائل اور باقی معاملات پر گفتگو کریں گے اور اسی کے ساتھ یہ قسط اختتام کو پہنچ جائے گی)

وتستا کی سیر!

قسط 6

کردارنامہ:۔

عمر	کردار	نمبر
26سال	بلقیس	1
29سال	قیصر	2
55سال	رمضانہ	3
35سال	محمد یوسف	4
40سال	کسان	5
50سال	راوی	6

پہلا منظر (۱)

(اس قسط کی ابتداء راوی کرے گا جو جہلم کے کنارے پر کھڑا ہو کر ابھی تک کی سیر کے بارے میں یاداشت کو تازہ کرتے ہوئے روداد سفر کو موجودہ مرحلے کے ساتھ جوڑ دے گا۔ Inter cut انٹر کٹ کی تکنیک کو استعمال کر کے پچھلی اقساط کے مناظر کو پیش کیا جائے گا)

راوی : آپ کو یاد ہوگا کہ وتستا کی سیر پر نکلے ہوئے قیصر اور بلقیس اپنے دریائی سفر کے دوران اس مشہور و معروف دریا کے کناروں پر آباد تاریخی مقامات اور حسنِ قدرت کے دلکش نظاروں کا بغور مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس نو بیاہتا جوڑی نے ویری ناگ سے اپنے سفر کا آغاز کرنے کے بعد کھنہ بل کے مقام پر ایک شکارہ میں بیٹھ کر اس نرالی قسم کی سیر کو کچھ زیادہ ہی دلچسپ اور قابل توجہ بنا دیا۔ کھنہ بل سے نکلنے کے بعد ان کے مشاہدے میں بجبہاڑہ کے تاریخی قصبے میں واقع باغ دارا شکوہ، جامع مسجد، شیکرِ لنگ مکر، زیارت بابا نصیب الدین غازیؒ اور للہ تراگ وغیرہ کے آثار و مناظر آئے۔ انہوں نے ان علاقوں کے لوگوں سے مل کر مختلف ثقافتی، مذہبی، تہذیبی اور سماجی معاملات کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ اس سفر میں ان کا ساتھ رمضانہ نام کا ایک ماہر بوٹ مین دے رہا ہے۔ اس وقت یہ تینوں پانپور کے تاریخی قصبے کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔

بلقیس نے ایک سی ڈی پلیئر خرید لیا ہے اور اس وقت وہ شکارہ میں پانپور کی اور بڑھتے ہوئے اسی سی ڈی پلیئر سے حبہ خاتون کا مشہور نغمہ [وأرِکۍ وَن سۍتۍ وارِ چھس نو] سُن رہے ہیں۔ آگے آپ خود دیکھئے کہ کیا ہو رہا ہے۔

دوسرا منظر

(شکارہ میں بلقیس اور قیصر رومانوی انداز میں بیٹھے ہوئے گانا سن رہے ہیں۔رمضانہ چپو چلا رہا ہے۔پس منظر میں حبہ خاتون کا ایک اور گیت (کأنسہ موراُون شورے پان) بج رہا ہے۔گیت کے فیڈ آؤٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مناظر منعکس ہورہے ہیں۔بلقیس سی ڈی پلیر کا بٹن دبا کر اسے بند کردیتی ہے)۔

قیصر: واہ واہ کیا آواز اور کیا شاعری۔بڑا لطف آیا۔

بلقیس: دھیرے دھیرے فنون لطیفہ کے ساتھ آپ کی دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔

قیصر: Again Credit goes to you.

بلقیس: By the way آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس کا کلام تھا؟

قیصر: کیوں نہیں۔حبہ خاتون کے یہ گیت کشمیری لوگوں میں بے حد مقبول ہیں۔ میں کون سا فرنگی ہوں جو مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا۔

رمضانہ: حبہ خاتون کا تذکرہ برمحل ہے۔ہم پانپور کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔حبہ خاتون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسی قصبے میں پیدا ہوئی تھی۔

بلقیس: نہیں، تازہ تحقیق کے مطابق حبہ خاتون کے والدین گریز کے رہنے والے تھے اور ان کی جائے پیدائش بھی وہی ہے بہر حال حتمی طور پر اس ضمن میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ایک اور دلچسپ، قابل توجہ اور تحقیق طلب معاملہ حبہ خاتون کے مزار کے تعین کے حوالے سے سامنے آرہا ہے۔

قیصر: حبہ خاتون کا مزار تو پانتھہ چوک میں ہے۔

بلقیس: پانتہ چوک میں مزار شعراء ہے اور اس مزار میں کشمیری زبان کے مایہ ناز اور مقبولِ عام شاعر غلام محمد مہجور دفن ہیں۔کہا جاتا ہے کہ حبہ خاتون کا مدفن بھی اسی جگہ پر ہے لیکن محققوں کے درمیان یہ اختلاف کا معاملہ بن گیا ہے۔

ایک دن جب میں نے کشمیر کے ایک بہت بڑے محقق اور دانشور محمد یوسف ٹینگ صاحب کے ساتھ حبہ خاتون کے بارے میں بات کی تو انہوں نے اس ضمن میں بہت دلچسپ باتیں کہیں۔

قیصر: کیا کہا؟

بلقیس: اُن کا کہنا تھا کہ حبہ خاتون کا مزار "بسوک بہار" میں ہے۔ وہ وہاں گئے بھی ہیں اور وہاں انہوں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "یہ حبیبہ بیگم کا مزار ہے"۔

قیصر: یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حبہ خاتون کشمیر کی ایک شاعرہ اور پھر بہار۔ مجھے تو اس میں کوئی تعلق ہی نظر نہیں آتا۔

بلقیس: نہیں تعلق ہے کیا؟

قیصر: بھلا کونسا تعلق؟

بلقیس: تعلق یہ ہے کہ جب مشہور مغل بادشاہ اکبر چک دور میں کشمیر کو طاقت کے بل پر فتح نہیں کر سکا تو اُنہوں نے یوسف شاہ چک جو اس وقت کشمیر کے حکمران اور حبہ خاتون کے عاشق تھے، کو دھوکے میں صلح صفائی کے لئے اپنے پاس بلایا اور پھر اس کو بسوک بہار کے ایک قید خانے میں بند کر کے کشمیر کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

قیصر: اچھا...... پھر کیا ہوا؟

بلقیس: پھر کیا ہونا تھا یوسف شاہ چک کا وہیں پر انتقال ہوگیا اور اُن کا مزار بھی وہیں ہے۔ حبہ خاتون کا وہاں پہنچنا اور انتقال کرنا بہر حال ایک تحقیق طلب معاملہ ہے۔

قیصر: تحقیق کے لئے سچ مچ ایک دلچسپ مضمون ہے یہ۔

بلقیس: حبہ خاتون کے بارے میں کچھ لوگوں کے اس سے بھی دلچسپ اور مختلف خیالات ہیں۔

قیصر: مثلاً

بلقیس: مثلاً یہ کہ کچھ لوگ اب یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ وہ کوئی شاعرہ تھی ہی نہیں۔ اُسے محض کشمیری لوک ادب کا ایک کردار سمجھنا چاہیئے۔

قیصر: واہ......Fantastic۔

بلقیس: حبہ خاتون کی شاعری کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہیں۔

قیصر: میں تو اُن کا Fan ہوں۔

(بلقیس گہرے سوچ میں ڈوب جاتی ہے اور قیصر اُسے پوچھتا ہے)

قیصر: کیا سوچنے لگی

بلقیس: کچھ نہیں مہجور کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔

قیصر: یہی نا کہ مہجور صاحب پلوامہ کا رہنے والا تھا۔ ان کا مزار اتھواجن میں کیسے؟

بلقیس: آپ کو کیسے معلوم پڑا؟

قیصر: کیوں! تمہارا شاگرد جو ہوں۔ خیر یہ گتھی بھی تمہیں ہی سلجھانی ہوگی۔

بلقیس: اس کے پیچھے بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔

قیصر: سناؤ تو صحیح۔

بلقیس: شاعرِ کشمیر پیرزادہ غلام مہجورؔ جب 19 اپریل 1953 کو اپنے آبائی مسکن مترگام پلوامہ میں رحلت کر گئے تو ان کی میت کو ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا لیکن بعد از اں مرحوم بخشی غلام محمد صاحب جو اس وقت ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم تھے، نے وہاں سے دوسرے دن ان کی میت واپس نکلوائی اور اسے نہایت ادب واحترام کے ساتھ سرینگر پہنچا دیا گیا۔ سرینگر میں ان کی نمازِ جناہ دوبارہ ادا کی گئی اور بعد میں انہیں سرکاری اعزاز کے ساتھ اتھواجن کے مزارِ شعراء میں دفن کیا گیا۔

رمضانہ: شیخ العالمؒ نے ایک جگہ کہا ہے۔ کہ

تس پدمان پورچہ للے تمہِ گلے امرِتھ پِو
سو سأنِی اُوتار لوئے تھٔو مےٚ ورِدِتو دِوِ

بلقیس: ہاں یہ انہوں نے للہ دید کے بارے میں کہا ہے۔

رمضانہ: وہ مجھے معلوم ہے لیکن پدمان پورہ بھی پانپور کا ہی پرانا نام ہے نا۔
قیصر: رمضان چاچانے پتے کی بات کہی۔
بلقیس: یوں کہیے کہ ایک تاریخی نکتہ ابھارا۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ العالمؒ تولد ہوئے تو انہوں نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا۔ جب بہت کوششوں کے باوجود بھی وہ دودھ پینے پر آمادہ نہیں ہوئے تو آخر پر وہاں سے لل دید کا آنا ہوا۔ انہوں نے حضرت شیخ العالمؒ سے کہا۔

''چےٚ مالہِ سےٚ زٕینہٕ مند چھوکھ نہٕ چینہٕ چھُکھ مند چھان''

یعنی پیو بیٹے پیو۔ جب جنم لینے میں نہیں شرمائے تو دودھ پینے میں کیسی شرم۔
قیصر: واہ کیا فلسفیانہ بات کہی ہے۔لیکن پدمان پورہ۔اور پھر لل دید کی جائے پیدائش۔ میں ذرا الجھن میں پڑ گیا۔
بلقیس: آپ شوقِ شعر اور ذوق ادب کے لمبے لمبے دعوے کر رہے تھے۔ مجھے لگتا ہے کہ ابھی آپ شعر فہم نہیں بن گئے ہیں۔
قیصر: بھلا کیوں۔
بلقیس: رمضان چاچا کے کہے ہوئے جس شلوک کی میں ابھی وضاحت کر رہی تھی اس میں شیخ العالمؒ نے لل دید کے آبائی مسکن کی طرف واضح اشارہ کیا ہے (لتس پدمان پورچہ للئے)
قیصر: ٹھیک ہے لیکن یہ پدمان پورہ ہے کونسی جگہ؟
بلقیس: پدمان پورہ ہماری نظروں کے بالکل سامنے ہے۔
(رمضان چاچا ہنستا ہے)
قیصر: یعنی پانپور کا پرانا نام پدمان پورہ ہے۔(دور سے دریا میں گندگی ڈالنے کا صوتی اور عینی تاثر)
بلقیس: وہ دیکھو دریا میں کتنی گندگی ڈال دی گئی۔ کیسے لوگ ہیں ہم۔ ہمیں دراصل احساس ہی نہیں ہے کہ یہ دریا کتنا پویتر ہے۔ تاریخ کشمیر کو کھنگالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کو اس دریا کے ساتھ کافی دلچسپی تھی۔ کہتے ہیں کہ

سلطان زین العابدین بڈ شاہ ہر مہینے کی 13 تاریخ کو وِتستا کے جنم دن کے طور پر مناتا تھا۔ روایت ہے کہ اس دِن چراغ جلا کر لکڑی کے پھٹوں پر رکھے جاتے تھے اور پھر انہیں بہا دیا جاتا تھا۔ ان چراغوں کو "وِتھ ژأ نگی" یعنی 'وِتستا کے چراغ' کہا جاتا تھا۔

قیصر: واہ واہ کیا بات ہے۔

بلقیس: مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ منظر دیکھنے کے لئے لوگ دریا کے کناروں پر نکل آتے تھے۔ بادشاہ لوگوں کی دعائیں سننے کے بعد ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر اس نظارے کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔ یہ سلسلہ 19 ویں صدی کے اختتام تک چلتا رہا۔ لارنس اس تہوار کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ تہوار کشمیر کے سبھی لوگ بلا امتیاز مذہب وملت یکساں طور پر مناتے تھے۔ اس موقعے کو بہت مقدس مانا جاتا تھا۔ باپ اس موقعے پر اپنی بیٹیوں کو انعامات اور تحائف پیش کرتے تھے۔

قیصر: (بلقیس کی طرف پیار سے) تم کتنی عظیم چیز ہو، واللہ دُرفشائی کرتی ہو (بلقیس قیصر کو اشاروں سے سمجھاتی ہے کہ رمضان چاچا دیکھ رہا ہے۔)

رمضانہ: وِتستا کی بڑی وسعتیں ہیں۔ کتنے لوگ اس میں نہاتے ہیں۔ کپڑے دھوتے ہیں اور باقی گندگی وغیرہ بھی اس میں ڈالتے ہیں۔ یہ سب کچھ اپنے آپ میں سما کر یہ دریا آگے بڑھتا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ

[رمضان چاچا گنگنانے لگتا ہے]

قیصر: نہیں چاچا نہیں ایسے نہیں اپنے مخصوص انداز میں گا کر سنایئے۔

بلقیس: ہاں چاچا۔Please پلیز

رمضانہ: اچھا سنئے جہلم کہتا ہے۔

خوشامد کرِ تِنم کانژھا، ملامت کرِ تِنم کانژھا
بہٕ یتھ کیتھ چھُس گومُت پأدا کرُن چھُم تی ڈرُن کس کیا

بۂ نوکر چھُس نہٕ کانٛہہ افسر لٔبھسم ناقابلن اندر
یوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر

قیصراوربلقیس:واہ واہ

قیصر :کوئی میری تعریفیں کرے یا تذلیل۔مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔میں کسی کے خوف کے بغیر وہ کام انجام دے رہا ہوں جسکے لئے میں وجود میں آیا ہوں کوئی نوکر تو نہیں ہوں کہ یہ ڈر رہے کہ میرا حاکم مجھے کہیں نا قابل نہ گردانے۔ مجھے زندگی کا حقیقی لطف مسافتیں طے کرنے اورمنازل پانے میں ہی ملتا ہے۔

بلقیس: (تالی بجا کر) واہ واہ کیا تشریح ہے۔

قیصر: آج مجھے دریا دلی کے معنی سمجھ آنے لگے۔یہ دریا انسان کی سب ناچاکیوں اور غلاظتوں کو نہلا کر اسے پاک وپاکیزہ بنادیتا ہے اور کسی کے راز کو فاش نہیں کرتا۔

بلقیس :ارے کیا بات ہے، یہ کتنی بڑی بات کہی آپ نے۔

پہلا منظر (ب)

راوی: (دریاء کے کنارے کھڑا رہ کر) اسکے بعد قیصر اور بلقیس پانپور کی تاریخی بستی میں داخل ہوجاتے ہیں۔وہ سب سے پہلے زعفران کی کھیتوں میں جا کر زعفران کی کاشت کرنے والے کسانوں سے ملتے ہیں۔ایک ترقی پسند کسان کیساتھ انکی گفتگو ہورہی ہے۔چلو ہم بھی شامل ہوجائیں۔

تیسرا منظر

(کیمرا زعفران زاروں کو مختلف زاویوں سے منعکس کرنے کے بعد زعفران

کے ایک کھیت کے متصل بلقیس، قیصر اور ایک کسان پر فوکس ہوگا۔قیصر اور بلقیس کسان کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں)

بلقیس :(کسان کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے) زعفران کی کاشت کیلئے زعفران اُگانے والوں کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

کسان : جناب۔نومبر کے مہینے میں زعفران کے بیج زمین میں بوئے جاتے ہیں۔ دسمبر کے آخر تک ان بیجوں سے سبز پودے پھوٹتے ہیں جو آہستہ آہستہ بڑے ہو جاتے ہیں اور پھر دوسرے سال اکتوبر کے آخری ہفتے سے زعفران کے پھول نکل جاتے ہیں۔ یہ پھول صرف چند دن رہتے ہیں۔زعفران اگانے والے کھیتوں میں جا کر زعفران کو اکٹھا کرتے ہیں۔

قیصر :پانپور میں زعفران کی کاشت کے ساتھ کتنے لوگ وابستہ ہیں؟

کسان :یہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ زعفران کی کاشت کے ساتھ وابستہ ہے۔تقریباً دس ہزار لوگ براہ راست زعفران کی کاشت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جبکہ ہزاروں لوگ بلاواسطہ طور پر زعفران صنعت کے ساتھ منسلک ہیں لیکن صاحب اب زعفران کی پیداوار کم ہو رہی ہے۔

قیصر :وہ کیوں؟

کسان :پتہ نہیں صاحب

بلقیس :اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

قیصر :مثلاً

بلقیس :مثلاً موسمیاتی تبدیلیاں، ماحولیاتی آلودگی اور زمین کی پیداواری قوت میں کمی وغیرہ وغیرہ۔

قیصر :خیر وجہ کچھ بھی ہو، معاملہ بہت گمبھیر ہے۔

بلقیس :بالکل۔کیوں کہ زعفران ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کلہن نے لکھا ہے کہ یہ شے جنت میں بھی مشکل سے ملے گی۔

(کسان کی طرف) اچھا دیجئے اجازت۔

کسان :سلام علیکم۔
قیصر :وعلیکم اسلام۔خدا حافظ

چوتھا منظر

(کیمرا وسیع شارٹ Long shot پر مختلف مناظر کو منعکس کرتے ہوئے بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو دو پتھروں پر بیٹھ کر آپس میں گفتگو کر رہے ہیں)

بلقیس :کارکوٹ خاندان سے وابستہ ایک اہم وزیر پدم نے نویں صدی عیسوی میں اس قصبے کو آباد کیا تھا۔اسی کے نام پر اس قصبے کا نام بھی پدمان پورہ پڑ گیا جو آہستہ آہستہ پانپور بن گیا۔

قیصر: پدم کس بادشاہ کا وزیر تھا؟

بلقیس: وہ جیت جیا پیڑ کا وزیر تھا۔مورخین نے لکھا ہے کہ پدم نے اپنے نام پر ایک مندر بھی تعمیر کروایا تھا۔جس کا نام پدم سوامن مندر رکھا گیا۔

قیصر: وہ مندر اب موجود نہیں ہوگا۔

بلقیس: نہیں لیکن اس مندر کے چند آثار میر محمد ہمدانیؒ کی زیارت گاہ کے گردنواح میں بکھرے پڑے ہیں۔

قیصر: یعنی پانپور میں میر محمد ہمدانیؒ کی زیارت گاہ بھی ہے۔

بلقیس: ہاں۔بلکہ اس کے علاوہ ایک اور اہم زیارت یعنی زیارت سید نعمت اللہ صاحب جس سے عرفِ عام میں شوگہ باب صاحب کہتے ہیں،کی زیارت گاہ بھی اسی قصبے میں ہے۔ماہرین کا خیال ہے کہ شوگہ باب صاحب کی زیارت گاہ کے اردگرد جو دیوار بندی کی گئی ہے اس میں استعمال شدہ پتھر بھی اسی زمانے کے نمونے معلوم ہوتے ہیں جس زمانے میں پدم سوامن مندر تعمیر کیا گیا تھا۔

قیصر: کشمیر کے تقریباً ہر گاؤں ہر قصبے اور ہر شہر میں صوفی اور روحانی بزرگوں کی زیارت گاہیں موجود ہیں۔

بلقیس: کشمیر کو ریشی وأر اور پیر وأر بھی کہا جاتا ہے۔ ریشیوں ،منیوں اور روحانی بزرگوں کے تئیں عقیدت و احترام کا اظہار کرنا ہمارے اجتماعی لاشعور میں رچا بسا ہے۔ یہ کشمیریوں کی ایک اہم خوبی مانی جاتی ہے۔

قیصر: کشمیر کی اکثر زیارت گاہیں فن تعمیر کے اعتبار سے بھی قابل دید ہیں۔

بلقیس: شوگہ باب صاحبؒ کی زیارت گاہ کا جہاں تک تعلق ہے آثار قدیم کے ماہرین کی رائے ہے کہ کشمیر کی فن تعمیر میں یہ اپنی نوعیت ٗ اجداگانہ مثال ہے۔ پانپور کے درنگہ بل محلے میں واقع یہ زیارت گاہ اس علاقے کے لوگوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔

قیصر: درنگہ بل! آپ کو محلے کا نام بھی معلوم ہے۔

بلقیس: ہاں اور یہ بھی معلوم ہے کہ پانپور میں چار بڑے محلے ہیں۔ اور ان سبھوں میں درنگہ بل زیادہ اہم ہے۔

[قیصر بلقیس کے نزدیک جاتے ہوئے اس سے پیار کرنے کے انداز میں]

قیصر: تم سچ مچ عظیم ہو۔ اب بتاؤ کہ کس گاؤں کی سیر کراؤ گی۔

بلقیس: چلیے اب ہمارا دوسرا پڑاؤ۔ پاندریٹھن ہوگا۔

پانچواں منظر

(دریا کے لانگ شارٹ پر شکارہ بھی فریم میں ہے کیمرا دھم زوم کے ذریعے شکارہ پر فوکس ہوگا۔ شکارہ میں قیصر اور بلقیس آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں)

قیصر: چپ کیوں ہو گئے چاچا گائے نا۔

رمضانہ: آگے بستی ہے اگر میں گاتا رہا پتہ نہیں لوگ کیا سمجھیں گے۔

قیصر: اچھا ہم پاندر پٹھن پہنچ گئے۔

بلقیس: ہاں یہی ہے پاندریٹھن ایک تاریخی بستی جس کا پرانا نام پرنہٕ اُوشٹھاں ہے۔

قیصر: پُرنہٕ اوشٹھان کا کیا مطلب ہے۔

بلقیس: پُرنہ اوشٹھان کا مطلب پرانی راجدھانی ہے۔
قیصر: اس کا مطلب ہے کہ پاندریٹھن کبھی کشمیر کی راجدھانی تھی۔
بلقیس: ہاں مورخین اور محققین کی یہی رائے ہے۔
قیصر: یہ کس دور کی بات ہے۔
بلقیس: یہ دوسو قبل مسیح کی بات ہے۔
قیصر: کلہن سمیت بہت سارے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس جگہ پر مہاراجہ اشوک نے ایک خوبصورت شہر بنوایا تھا اور اس شہر کو قدیم سرینگر بھی کہا جاتا ہے۔
قیصر: [حیران ہوکر] سچ
بلقیس: ہاں یہاں ایک اور بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ پاندریٹھن کی یہ بستی قبل مسیح میں بسائی گئی ہے۔
قیصر: تاریخی کتابوں میں لکھی گئی ان باتوں کا کوئی ثبوت بھی ہے کہ نہیں۔
بلقیس: تمہارا مطلب آثارِ قدیمہ سے ہے۔
قیصر: جی ہاں۔
بلقیس: شری پرتاب میوزیم میں بدھ دور کی چند مورتیاں ہیں جن کو اس جگہ سے اٹھایا گیا تھا۔
قیصر: اچھا۔ چونکہ اشوک بدھ مت کا ماننے والا تھا اس لئے اُنہوں نے یہاں اس مذہب کے حوالے سے کچھ اور کام بھی کئے ہوں گے۔
بلقیس: مذہبی تعمیرات کا سلسلہ پاندریٹھن میں اشوک کے دور میں ہی شروع ہوا تھا۔ 1916-17 میں دیارام ساہنی نے اسی علاقے میں تین ستوپوں کی بنیادیں دریافت کیں۔ پتھروں کے بنے ان ستوپوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ للتادتیہ کے دور کے بنے ہوئے ہیں۔
قیصر: ہم ان ستوپوں کو دیکھ نہیں سکیں گے کیا؟
بلقیس: نہیں وہ جو فوجی بیرکیں یہاں سے نظر آرہی ہیں، کہتے ہیں ستوپ اسی جگہ

پر تھے۔

قیصر :تو پھر یہاں کوئی بھی تاریخی تعمیر نہیں دیکھ پائیں گے۔

بلقیس : کیوں نہیں ہم یہاں کا تاریخی مندر ضرور دیکھ سکتے ہیں۔ (رمضانہ کی طرف) چاچا بوٹ کشتی کی طرف لے جاؤ۔

چھٹا منظر

(کیمرا پاندریتھن کے تاریخی مندر کو مختلف زاویوں سے عکس بند کرتے ہوئے گھماؤ شارٹ کے ذریعے مندر کے سامنے کھڑا قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا)

بلقیس: کننگھم کا خیال ہے کہ یہ مندر دلدل میں بنایا گیا ہے۔ مندر کے ساتھ موجود یہ تالاب جنوب کی جانب نکلتا ہے۔

قیصر :یہ مندر کب بنایا گیا ہے؟

بلقیس :اس ضمن میں مختلف محققین نے الگ الگ آراء کا اظہار کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اسے راجہ جے سہا کے وزیر نے بنایا ہے اور کسی کی رائے ہے کہ یہ راجہ پارتھ کے وزیر میرو وردھن کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ اس مندر کے سپاٹ چھت پر لوکیشور کی مورتی ابھاری گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مندر کا تعلق بدھ مذہب کے تعمیرات کے ساتھ ہے۔ لوکیش کے پجاری ہندوستان میں چوتھی صدی عیسوی سے لیکر ساتویں صدی تک کثیر تعداد میں تھے۔ اس لئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس مندر کی تعمیر اسی دور میں ہوئی ہوگی۔

قیصر :مندر کی تعمیر ہندو مندروں کے ساتھ میل بھی نہیں کھاتی ہے؟

بلقیس :بالکل صحیح تاہم مندر کے دائیں بائیں جو ہندو دور کی مورتیاں دکھائی دیتی ہیں ان کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اسے بعد میں ہندو مندر میں تبدیل کیا گیا ہو۔

قیصر :بہر حال کچھ بھی ہو مندر کی تعمیر بڑی شاندار ہے بلکہ اگر یوں بھی کہا جائے

کہ ہر اعتبار سے منفرد بھی ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

بلقیس : اب کیا ارادہ ہے؟

قیصر : میرے خیال کے اندر چلیں گے۔ لوگوں سے ملیں گے اور اُن کے ساتھ یہاں کی معاشی، معاشرتی، سماجی اور تہذیبی زندگی کے بارے میں گفتگو کر کے مستفید ہو جائیں گے۔

بلقیس : بہت اچھا Idea ہے، چلئے پھر چلتے ہیں۔

(دونوں کردار چلتے ہیں۔ کیمرا دور تک اُن کو فالو کرتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ قسط اختتام کو پہنچ جاتی ہے)

OOO

وتستا کی سیر!

قسط 7

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	رمضانہ	55سال
4	مالک ہاؤس بوٹ	65سال

پہلا منظر

(کیمرا الانگ شارٹ پر جہلم کو منعکس کرتے ہوئے آہستہ آہستہ شکارہ پر فوکس ہوگا، بلقیس اور قیصر شکارہ میں بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں اور رمضانہ چپّو چلاتے ہوئے شکارہ کو آگے بڑھاتا ہے)

بلقیس :(دریاء سے پانی ہاتھ میں اٹھا کر)

اگر فردوس بروئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

قیصر: یعنی اگر دنیا میں کہیں جنت ہے تو وہ یہیں ہے یہیں ہے یہیں ہے۔

بلقیس: بالکل صحیح !(بلقیس آگے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔) وہ دیکھئے مچھیرا ادھر جال پھینک رہا ہے۔ پتہ نہیں کتنی مچھلیاں آئینگے اس کے جال میں۔

قیصر: دریائے جہلم میں رہنے والے مچھیروں کی ایک بڑی تعداد کا ذریعہ روزگار یہی ہے۔

بلقیس: بالکل۔ یہ دریا طرح طرح سے ہم پر مہربان ہے۔

قیصر: (نظر دور تک دوڑاتے ہوئے) رمضان چاچا میرے خیال میں ہم سرینگر پہنچ گئے۔

رمضانہ: ہاں صاحب ہم تو سرینگر کب کے پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے دائیں جانب شیو پورہ اور بائیں طرف راج باغ کا علاقہ ہے۔

قیصر: مجھے تو خیال ہی نہیں ہے (بلقیس کی طرف) کیوں نہ ہم پہلے گھر چلیں۔

بلقیس: نہیں پہلے ہمیں یہ سفر مکمل کرنا ہوگا اور اس سیر کی تکمیل کے بعد ہی ہم خوشی خوشی

گھر جائیں گے۔

قیصر: یعنی ہم گھر پہنچ کر بھی گھر میں نہیں رہ سکیں گے۔

بلقیس: نہیں! وہ اسلئے کہ پھر یہ ایڈونچر Adventure نہیں رہے گا۔ ہم باقی دنوں کی طرح آج بھی کسی House Boat ہاؤس بوٹ یا ہوٹل میں رہیں گے یا کسی دوست کے ہاں قیام کرینگے۔

قیصر: House boat ہاؤس بوٹ کا خیال بہت اچھا ہے۔

بلقیس: ٹھیک ہے فی الحال میں آپ کو پرانے زیرو برج ZeroBridge کے نزدیک بنائے گئے ایک دو منزلہ House Boat دکھاؤں گی جو اس طرح کا پہلا نمونہ ہے۔

قیصر: واہ کیا بات ہے، چلئے نا رمضان چاچا جلدی پہنچا دیجئے زیرو برج۔

رمضان: ہاں ابھی پہنچاتا ہوں۔

(شکارہ تیز چلنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ فریم سے باہر ہو جاتا ہے)

دوسرا منظر (۱)

(کیمرا زیرو برج کے اوپری حصے سے آہستہ آہستہ نیچے آکر پھر شکارہ پر فوکس ہوتا ہے جو زیرو برج کے بالکل نزدیک رُکا ہوا ہے)

بلقیس: یہ رہا پرانا زیرو برج (Zerobridge) اس کا پرانا نام ززئ کدل ہے اور اسے 1957ء میں ریاست جموں و کشمیر کے اس وقت کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے تعمیر کیا ہے۔

قیصر: اب یہ پل گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔

بلقیس: ہاں اس کا متبادل آگے والا عبداللہ پل ہے جس کو اب لوگ عرفِ عام میں نیا زیرو برج کہتے ہیں۔ یہ پل شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کنکریٹ پل کی رسمِ افتتاح کی گئی۔ اس پل کا اصلی نام بھی عبداللہ برج ہی

ہے۔

قیصر: اس وقت یہ پل یہاں کے اہم پلوں میں شامل ہوتا ہے۔

دائیں جانب سے دیکھتے ہوئے) وہ دیکھئے نادر چیز یعنی دومنزلہ ہاؤس بوٹ۔

بلقیس :آپ جہلم کے کناروں کی طرف دیکھ رہے ہو۔

قیصر :اور نہیں تو کیا۔

بلقیس :کوئی فرق محسوس کر رہے ہو۔

قیصر :فرق ہی فرق ہے۔ کہاں وہ گھنے بیدزاروں کی قطاریں، ناجائز تجاوزات اور کہاں یہ خوبصورتی سے بنائے گئے ڈھلوان کنارے۔ اس سے سرینگر کی خوبصورتی دوبالا ہو جائے گی۔

بلقیس :اس اہم کام میں جو بھی حکمران اور اختیار شخصیت پہل کرے گی اُس کا نام تاریخ کشمیر میں زندہ رہے گا۔

قیصر :بلاشک۔

(رمضانہ شکارہ کو ساحل کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

تیسرا منظر

(قیصر اور بلقیس دریا کے کنارے کنارے چلتے ہوئے محو گفتگو)

بلقیس :سرینگر شہر میں ہم دونوں نے اب تک زندگی بتائی ہے لیکن اس شہر سے ہم پھر بھی ناواقف ہی ہیں۔

قیصر :اس شہر میں خوبصورت مغل باغات، جھیل ڈل اور سب سے بڑھ کر کئی اہم تاریخی نوعیت کے مذہبی مقامات واقع ہیں۔

بلقیس: مجھے لگتا ہے کہ سب سے پہلے ہم سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم صاحبؒ کی زیارت گاہ پر حاضری دے کر فیض حاصل کرنے کے بعد کوہِ ماران کی بلندیوں

سے پورے شہر سرینگر کا نظارہ کریں گے۔

قیصر :واہ،تمہارے منہ میں گھی شکر

چوتھا منظر

(کیمرا سلطان العارفین مخدوم صاحبؒ کی زیارت کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے آہستہ آہستہ زیارت کے ایک طرف کھڑے قیصر،بلقیس اور ایک بابا پر فوکس ہوگا جو آپس میں محو گفتگو ہیں)

بابا :حضرت مخدوم صاحبؒ کی زیارت گاہ سرینگر کے شش بقعہ عالیہ میں ایک اہم زیارت مانی جاتی ہے۔ہاری پربت قلعہ کے نیچے واقعہ یہ زیارت شریف شہر کے تقریباً ہر علاقے سے دیکھی جاسکتی ہے۔اس زیارت گاہ کا کشمیر کی تاریخی، سیاسی، روحانی اور ثقافتی زندگی میں کافی عمل دخل رہا ہے۔(اس دوران زیارت شریف کو مختلف زاویوں سے منعکس کیا جائے گا)

بلقیس: یہ زیارت شریف فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔یہاں کشمیر کے اطراف و اکناف سے آئے ہوئے لوگ روحانی فیض حاصل کرتے ہیں اور من کی مرادیں پوری ہونے کے لئے منتیں مانگتے ہیں۔

قیصر: چلیے ہم بھی اس فیض و برکت میں شامل ہوجاتے ہیں۔

بابا :اچھے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔اللہ تمہارے من کی مراد پورا کرے۔ آیئے (سبھی اکٹھے چلتے ہیں اور کیمرا دور تک ان کو فالو کرتا ہے اور بعد ازاں یہ فریم سے باہر ہوجاتے ہیں)

پانچواں منظر

(قیصر اور بلقیس سیڑھیوں سے نیچے کی طرف اُترتے ہوئے باتیں کررہے ہیں)

بلقیس :سلطان العارفینؒ کی اس زیارت شریف کے گردونواح میں تاریخی عمارات کے آثار نمایاں طور دیکھے جاسکتے ہیں۔

قیصر :کوہ ماران پر واقعہ یہ زیارت شریف ہر لحاظ سے پُرکشش ہے۔

بلقیس :(رک کر) ذرا اوپر کی جانب دیکھئے۔قلعہ ہاری پربت اب بھی اپنی شان و شوکت سے قائم ہے۔

قیصر :کاٹھی دروازہ کی جانب مسجد دارا شکوہ اور دارالمحل بھی ہے۔

بلقیس :اس زیارت گاہ کے ایک طرف مشہور چکرا ایشور مندر ہے اور دوسری جانب گردوارہ چھٹی پادشاہی۔

قیصر :روضہ شریف کے گردونواح میں ہم نے مساجد کو غور سے نہیں دیکھا۔

بلقیس :خاص طور ہمیں مسجد ذاکر، مریم محل اور بالا دری کو غور سے دیکھنا تھا۔انشاءاللہ جلدی دوبارہ حاضر ہوکر یہ سب چیزیں دیکھ لیں گے۔

قیصر :انشاءاللہ۔شیخ حمزہ مخدوم صاحبؒ کی سوانح کے بارے میں تم نے کچھ زیادہ نہیں کہا۔

بلقیس :حضرت سلطان شیخ حمزہؒ 900 ہجری بمطابق 1494ء پیدا ہوئے۔یہ کشمیر میں سیاسی افراتفری کا زمانہ تھا۔تجر زینہ گیر میں پیدا ہوئے اس ولی اللہؒ نے عبادت کیلئے اسی جگہ کو پسند فرمایا تھا۔بہرحال میں آپ کو ایک کتاب دوں گی جس میں آپ ان کے سوانحی حالات تفصیل سے پائیں گے۔

(اسی کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

چھٹا منظر

قیصر اور بلقیس جہلم کے کنارے اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں پس منظر میں ہاؤس بوٹوں کی ایک بڑی تعداد دکھتی ہے۔کیمرا گھماؤ شارٹ کے ذریعے پہلے ہاؤس بوٹوں کو فوکس کرے گا اس کے بعد آہستہ آہستہ بلقیس اور قیصر پر

فوکس ہوگا۔ یہ دونوں کردار آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے ایک ہاؤس بوٹ میں داخل ہوکر ہاؤس بوٹ کے مالک کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں)

بلقیس: انکل ابا جی کے اچھے دوست تھے۔

مالک ہاؤس بوٹ: اللہ مغفرت کرے حیدر صاحب کو۔ خیر بتایئے کیا بات کرنی ہے۔

قیصر: ہم آپ سے ہاؤس بوٹ، اس کی تاریخ اور اہمیت وغیرہ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔

مالک ہاؤس بوٹ: چونکہ کشمیر میں جہلم کے علاوہ کئی اور جھیلیں ہیں جن میں جھیل وُلر، جھیل مانسبل اور خاص طور پر مشہور زمانہ جھیل ڈل بھی شامل ہے۔ اسلئے یہاں جگہ جگہ طرح طرح کی کشتیاں پائی جاتی ہیں۔

بلقیس: کشمیر میں پائی جانے والی کشتیوں میں ڈونگا، بُہو، شکارہ، پرندہ، کھوّچ اور ڈیمبہ ناؤ جیسی طرح طرح کی کشتیاں ہیں اور ان سبھی کشتیوں کی اپنی افادیت اور اہمیت ہے۔ کہتے ہیں جب زمینی ٹرانسپورٹ کے ذرائع یہاں وجود میں نہیں آئے تھے ان دنوں کشتیوں سے بہت کام لیا جاتا تھا۔

مالکِ ہاؤس بوٹ: ان سب کشتیوں میں ہاؤس بوٹ سب سے زیادہ دلکش اور دیدہ زیب کشتی ہے۔ یہ ڈونگے کی جدید صورت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نئے طرز کی یہ کشتی 1880ء میں بنائی گئی اور اس کو ہاؤس بوٹ کا نام دیا گیا۔ پہلے ہاؤس بوٹ کے بنانے والے کچھ فرنگی تھے جن کے نام آر ماٹو رلیس، آر ہاروی اور مارٹین کیتا ڈر تھے۔ ہاؤس بوٹ دراصل ایک آرام دہ آبی مکان ہوتا ہے جس میں آرام و آسائش کی سبھی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ایک ہاؤس بوٹ میں ایک ڈرائنگ روم دو چار سونے کے کمرے، جدید طرز کے غسل خانے اور ڈائننگ ہال بھی ہوتا ہے۔ لکڑی کے بنائے ہوئے یہ آبی گھر نئی نویلی دلہن کی طرح سجے سجائے ہوتے ہیں۔ آپ کو ہاؤس بوٹ کی چھت اور دیواروں پر ختم بند کے مختلف ڈیزائن نظر آئیں گے۔

[کیمرا بدستور مالک ہاؤس بوٹ پر فوکس رہے گا اور وہ کچھ کہے بغیر اپنی نظریں

اس جگہ پر جماتا ہے جہاں جہلم کے بیچوں بیچ پانی کم ہونے کی وجہ سے اس کی سطح دکھائی دیتی ہے۔]

بلقیس: انکل آپ متاثر کن انداز میں یہ کس چیز کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔؟

مالک ہاؤس بوٹ: اس دریاء کو میں اب پچاس برسوں سے لگاتار دیکھ رہا ہوں۔ایک زمانہ تھا جب اس کی روانی طلاطم خیز ہوتی تھی۔اب ایک طرف اس کی روانی سست پڑ گئی ہے اور دوسری جانب اس کی گہرائی بھی کم ہوتی جارہی ہے۔

بلقیس: دراصل جنگلوں کے بے تحاشا کٹاؤ سے اب برف بھی بہت کم پڑتی ہے، نتیجے کے طور پر جہلم میں پانی کم ہوجاتا ہے۔

قیصر: اس دریاء کی ڈرجنگ بھی کئی دہائیوں سے نہیں ہوئی ہوگی۔

مالک ہاؤس بوٹ: یہ سب باتیں غور و فکر کی ہیں۔اگر ہم ان باتوں کی طرف جلد از جلد توجہ نہیں دیں گے تو ''وبتھ'' کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔کہیں میری یہ باتیں سنتے ہوئے آپ بور تو نہیں ہو رہے ہیں؟

قیصر: انکل بور کیسے ہو جائیں گے۔البتہ میں سوچ رہا تھا کہ ہم کچھ اہم چیزوں پر بات کرنے سے رہ گئے۔

بلقیس: مثلاً

قیصر: مثلاً یہ کہ ہمارے بالکل دائیں جانب سرینگر میں واقع کشمیر کے دو اہم ثقافتی ادارے ہیں۔

مالک ہاؤس بوٹ: آپ گفتگو جاری رکھئے، میں ابھی چند منٹوں میں آتا ہوں۔

قیصر: Ok: انکل

بلقیس: آپ کا اشارہ ریڈیو کشمیر سرینگر اور دوردرشن کیندر سرینگر کی طرف تو نہیں تھا؟

قیصر: بالکل......

بلقیس: ان دونوں اداروں کا واقعی کشمیر کی ترقی بلکہ یوں کہئے کہ یہاں کی معاشی، تہذیبی اور سماجی زندگی میں بڑا اہم رول رہا ہے۔

قیصر: ریڈیو کشمیر سے نشر ہو رہے بہت سارے کشمیری نغمے اور ڈرامے کشمیریوں میں بے حد مقبول ہیں۔ اس میں اب مین چینل کے ساتھ ساتھ وِوِد بھارتی اور یووانی سروسز بھی چلتی ہیں۔

بلقیس: دوردرشن کیندر سرینگر کا بھی ہماری تہذیبی تعلیمی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں کافی اہم رول ہے۔ یہ کیندر 1972ء میں شروع ہوا ہے اور جب سے آج تک اس کے کئی پروگرام جن میں خاص طور پر کچھ کشمیری سیریلز (Serials) شامل ہیں لوگوں نے بہت پسند کئے۔ مین چینل کے ساتھ ساتھ اب "کاشر چینل" بھی چل رہی ہے یہ چینل دوردرشن نیٹ ورک میں ایک اہم چینل مانی جاتی ہے (قیصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور کچھ سننا ہے کیا؟

قیصر: ہاں میں شہر سرینگر کے بارے میں مجموعی طور پر کچھ سننا چاہتا ہوں۔

بلقیس: مثلاً کیا۔

قیصر: مثلاً یہ کہ اس شہر کا جغرافیائی اور تاریخی منظر نامہ کیا ہے۔

بلقیس: سطح سمندر سے 5200 فٹ کی بلندی پر واقع سرینگر شہر ریاست جموں و کشمیر کا سب سے بڑا شہر ہے۔ وادیٔ کشمیر کے وسط میں واقع اس شہر کی آبادی آٹھ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ تقریباً 85 مربع میل پر پھیلا یہ شہر روز بروز وسعت پکڑتا جا رہا ہے۔

قیصر: تم نے پاندریٹھن کے مقام پر کہا تھا کہ پرانا سرینگر شہر مہاراجہ اشوک نے اُسی جگہ پر بسایا تھا۔

بلقیس: اس شہر کے پرانے ناموں میں ہیماوت، شری نگر، پرور پور اور پرورسین پورہ بھی گنے جاتے ہیں۔

قیصر: پاندریٹھن کے حوالے سے بات کرتے ہوئے جو تم نے کہا تھا۔ اس اعتبار سے یہ شہر دو سو قبل مسیح سے پہلے وجود میں آیا ہے۔

بلقیس: بالکل صحیح۔ اشوک کے زمانے میں پاندریٹھن ہی اس شہر کا صدر مقام تھا اور بعد میں کئی سو سال کے بعد راجہ پرورسین نے راجدھانی ہاری پربت

منتقل کی۔ اس وقت اس کا نام پرور پور پڑ گیا۔ بہر حال بادشاہوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ راجدھانی منتقل ہوتی رہی۔

قیصر : سرینگر شہر کی اہمیت ہر اعتبار سے مسلمہ ہے۔ یہاں کی تاریخی تعمیرات، باغات، مساجد، منادر، زیارت گاہیں، آبی وسائل، پل اور سیاحتی مقام نہ صرف قابل دید ہیں بلکہ قابل ستائش بھی۔

بلقیس :بالکل۔ بہر حال یہ ہمارا اپنا شہر ہے۔ اس شہر کو ہم دیکھ لیں گے اور بار بار دیکھ لیں گے۔

قیصر :اور اب غور سے دیکھ لیں گے۔

بلقیس :انشاءاللہ

(اسی دوران مالک ہاؤس بوٹ دوبارہ کمرے میں داخل ہو جاتا ہے)

بلقیس: انکل ہم (ایس پی میوزیم) S.P. Musium اور ریاستی کلچرل اکیڈمی جانا چاہتے ہیں۔

مالک ہاؤس بوٹ: دونوں جگہیں بہت اہم ہیں آپ وہاں جا کے متعلقہ آفیسروں سے ملئے، وہ آپ کی پوری رہنمائی کریں گے۔

شازی: اچھا انکل آپ کا بہت بہت شکریہ۔

مالک ہاؤس بوٹ :شکریہ کس بات کا۔ تم میری بیٹی ہو تمہیں معلوم ہے کہ حیدر صاحب اور میرے درمیان بھائیوں جیسے تعلقات تھے۔ اچھے آپ چلیے لیکن شام کا کھانا ضروری ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ وعدہ خلافی نہیں کرنا۔

(بلقیس اور قیصر نکلتے ہوئے) انکل ضرور کھائیں گے۔ انشاءاللہ

مالک ہاؤس بوٹ: اچھا خدا حافظ

دوسرا منظر (ب)

[کیمرا رمضان چاچا پر فوکس ہوگا جو شکارہ میں بیٹھ کر حُقا پی رہا ہے۔ فریم آہستہ آہستہ

کھل جاتا ہے جب تک کہ بلقیس اور حیدر فریم میں آ کر شکارے میں داخل ہو جاتے ہیں۔]

رمضانہ: آ گئے آپ؟

قیصر: ہاں چاچا آ گئے (دونوں بیٹھ جاتے ہیں)

رمضانہ: اب کیا ارادہ ہے۔

شازی: لال منڈی کی طرف چلیے۔

رمضانہ: بسم اللہ تو کلتُ الا اللہ

[کیمرا دور تک شکارہ کا پیچھا کرے گا اور منظر اختتام کو پہنچے گا]

ساتواں منظر

(کیمرا کلچرل اکیڈمی کے دفتر پر فوکس ہوگا اس ادارے کی عمارت کو مختلف زاویوں سے منعکس کرنے کے بعد قیصر اور بلقیس کو فوکس کر کے اُن پر ہی رُکے گا) بلقیس اکیڈمی کی عمارت سے سامنے ایک کتاب پڑھ رہی ہے۔ چند الفاظ پڑھنے کے دوران وہ فوکس میں رہے گی۔ اس کے بعد وہ پڑھتی رہے گی لیکن پیش منظر میں اکیڈمی کے مختلف شعبوں کو دکھایا جائے گا۔)

بلقیس: ریاستی عوام نے اپنی جدوجہد آزادی کے دوران اپنے مستقبل کا نقشہ چشم تصور کے سامنے لایا تو اس میں ایک تہذیبی شیرازہ بندی کا مقصد بڑا نمایاں تھا۔ رہنماؤں نے جب 1944ء میں مستقبل کی ریاست کا خاکہ "نیا کشمیر" کی صورت میں کھینچا تو اس میں ایک کلچرل اکیڈمی کا قیام بھی شامل تھا۔ چنانچہ جب 1957ء میں ریاست کی دستور ساز اسمبلی نے ریاست کا آئین منظور کیا تو اس میں سرکار کے لیے کلچرل اکیڈمی کے قیام کو ایک آئینی لازمہ بنایا گیا اور اس کے قیام کا اعلان 7 جولائی 1958ء کو کیا گیا۔ 1958ء میں اس کا پہلا بجٹ 50,000 روپیوں پر مشتمل تھا۔ اور آج یہ

بجٹ میرے خیال میں کروڑوں میں ہوگا۔

قیصر: اس کا مطلب ہے کہ اس ادارے کے پاس بہت سارے پروجیکٹ ہوں گے۔

بلقیس: بالکل۔ کلچرل اکیڈمی ہر سال کشمیری، ڈوگری، لداخی، گوجری، پہاڑی، پنجابی، اردو انگریزی اور ہندی زبانوں میں کتابوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شائع کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارے کی جانب سے ادیبوں اور قلمکاروں کو بھی اپنی ذاتی کتابیں شائع کرنے کے لئے مالی معاونت ملتی ہے۔

قیصر: اس ادارے کی طرف سے کوئی میگزین بھی تو نکلتا ہی ہوگا۔

بلقیس: اس ادارے کا رسالہ "شیرازہ" کے نام سے اردو، ہندی، کشمیری، ڈوگری، لداخی، گوجری، پنجابی اور انگریزی زبانوں میں مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک سالنامہ "ہمارا ادب" کے نام سے ان سبھی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

قیصر: یہ تو نہایت ہی دلچسپ کام ہے۔

بلقیس: یہ ادارہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ کارنامے دیتا ہے

قیصر: مثلاً

بلقیس: مثلاً یہ کہ بھارت کی دوسری ریاستوں میں فن، تمدن اور زبانوں کے لئے الگ الگ اکیڈیمیاں قائم کی گئیں ہیں لیکن جموں وکشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز جیسا کہ اس ادارے کے نام سے بھی پتہ چلتا ہے ان تینوں شعبوں کی ترویج وترقی کیلئے کام کر رہی ہے اس ادارے کے مرکزی دفاتر سرینگر اور جموں میں ہیں جبکہ ذیلی دفاتر لیہہ، کپواڑہ، بارہمولہ، ڈوڈہ، پونچھ، بھدرواہ، راجوری اور کرگل قائم کئے گئے ہیں۔ اب شوپیان، اننت ناگ اور کشتواڑ میں بھی یہ دفاتر قائم کئے جا رہے ہیں۔

قیصر: اس کا مطلب ہے کہ یہ ادارہ ایک منظم اور مستحکم طریقے پر کام میں جٹا ہوا ہے۔

بلقیس: بالکل۔

قیصر: موسیقی اور فنون لطیفہ کے ساتھ وابستہ کالج بھی شاید اکیڈیمی کے زیر پرستی ہی چل رہا ہے۔

بلقیس: ہاں۔اکیڈیمی اس نوعیت کے دو سکول،ایک جموں میں اور دوسرا سرینگر میں چلا رہی ہے۔اس کے علاوہ جموں کا ابھینو تھیٹر اور سرینگر کا ٹیگور ہال بھی اس ادارے کے حصے ہیں۔

قیصر: چند ماہ قبل مجھے جموں کے ابھینو تھیٹر میں ایک تھیٹر ڈرامہ دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔وہ کیا وہ ہال ہے

بلقیس: اگر آپ کو معلوم ہوگا سرینگر کا ٹیگور ہال پچھلے برسوں کے دوران آگ کی ایک واردات میں تقریباً خاکستر ہو چکا تھا لیکن وہ بھی اب جدید سہولیات سے آراستہ کر کے نہایت ہی دیدہ زیب اور دلکش انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

قیصر: آگ کی ایک واردات میں اکیڈیمی کی عمارت بھی جل چکی تھی۔

بلقیس: بالکل صحیح کہا آپ نے۔اس کی تعمیر بھی از سر نو کی جا چکی ہے تاہم یہ جدید تعمیر پرانی تعمیر کی طرز پر ہی کی گئی ہے۔

قیصر: اکیڈیمی کس کس قسم کے پروگراموں کا اہتمام کرتی ہے؟

بلقیس: یہ ادارہ ادبی کانفرنسوں مشاعروں موسیقی کی محفلوں،نمائشوں،ڈرامہ میلوں،مصوری کے مقابلوں اور اس طرح کے مختلف النوع پروگراموں کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔

قیصر: اس ادارے کا ایک کتاب گھر بھی ہے نا۔

بلقیس: ہاں سرینگر میں اور جموں میں بھی کلچرل اکیڈیمی کا ایک وسیع اشاعتی پروگرام ہے۔اس ادارے میں یہاں کی تقریباً سبھی زبانوں کی ڈکشنریاں تیار کی گئیں ہیں۔اس کے علاوہ کشمیری انسائیکلوپیڈیا کی چار جلدیں ابھی تک چھپ چکی ہیں جن میں کشمیر کے آثار قدیمہ،دستکاریوں اور ادب کے بارے میں سیر حاصل محققانہ بحث کی گئی ہے۔

قیصر: کلچرل اکیڈیمی کی لائبریری میں نادر کتابیں،تاریخی مسودے اور مخطوطات موجود ہوں گے۔

بلقیس: کیوں نہیں، 1957ء سے جوادارہ لگاتار کام کرتا رہا ہو، اس کا سرمایہ وسیع تو ہوگا ہی۔

قیصر: کیوں نہ ہم اکیڈیمی کے دفتر کے اندر چلیں اور الگ الگ شعبوں کا بچشم خود مشاہدہ اور مطالعہ کر کے محظوظ ہو جائیں۔

بلقیس: بسم اللہ

(دونوں لال منڈی سرینگر میں واقع کلچرل اکیڈیمی کے صدر دفتر کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ کیمرا ان کو فالو کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ منظر اور یہ قسط اختتام کو پہنچتے ہیں۔

○□○

وتستا کی سیر!

قسط8

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	شبنم	25سال
4	خوشبو	24سال

پہلا منظر (۱)

(کیمرا گھماؤ شارٹ کے ذریعے اس منظر کے گرد و پیش کو منعکس کر کے بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا جو جہلم کے کنارے پر واقع ایک ریستوران کے باہر لان میں بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں)

قیصر: میں نے ایک شعر پڑھا ہے مجھے بہت اچھا لگا اور زبانی یاد بھی ہوا۔

بلقیس: ذرا سنایئے تو!

قیصر: سناؤں گا تو کیا ملے گا؟

بلقیس: شاباشی۔ میں چلا چلا کے واہ واہ کہوں گی اور کیا چاہیئے؟

قیصر: نہیں نہیں پلیز ایسا نہیں کرنا مجھے لوگ پتہ نہیں کیا سمجھ کر تھانے پہنچا دینگے۔ اور پھر ضمانت دینے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

بلقیس: کیوں اس شہر میں آپ کے اتنے دوست ہیں۔

قیصر: فی الحال تو ہم نے سبھوں کے ساتھ قطع تعلق کیا ہے۔ ہم تو پتہ نہیں کس دنیا کے لوگ ہیں۔

بلقیس: میری سہیلیاں بھی تو مجھے بہت مس (Miss) کرتی ہونگی۔ شبنم اور خوشبو میرے بغیر ایک دن بھی رہ نہیں پاتی تھیں۔ پتہ نہیں کہاں ہونگی اور کیا کیا کہتی ہونگی میرے بارے میں۔

دوسرا منظر

(کیمرا سرینگر کے باٹنیکل گارڈن کو مختلف زاویوں سے عکس بند کرتے ہوئے خوشبو اور شبنم پر فوکس ہوگا جو آپس میں باتیں کر رہی ہیں)

شبنم: (شاعرانہ انداز میں) ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی۔ کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔

خوشبو: بہت اچھا شعر ہے بلقیس اکثر کہا کرتی تھی۔

شبنم: (غصے میں) بلقیس بلقیس بلقیس...... جیسے وہی ایک ہے اس دنیا میں جو ہر فن اور ہر فلسفے پر قدرت رکھتی ہے۔

خوشبو: زبان تلوار کی طرح چلا رہی ہو لیکن دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ ہیں نا۔

شبنم: (خوشبو کو گلے لگاتے ہوئے دکھ بھری آواز میں) کیا کروں مجھے بلقیس کی بہت یاد آتی ہے۔اُس کے بغیر میرا جینا دشوار ہو گیا ہے۔ وہ کب آئے گی۔ کب آئے گی وہ!

خوشبو: میں نے سنا ہے کہ وہ وتستا کی لہروں کے ساتھ اچھل کود کر رہی ہے۔

شبنم: میں سمجھی نہیں

خوشبو: تجھے شاید یاد ہو گا بلقیس ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ وہ ہنی مون ہٹ کر منائے گی۔ کھنہ بل سے کھادنیار تک ایک شکارہ میں بیٹھ کر سیر کرے گی۔

شبنم: ہاں یہ تو اسکا سپنہ تھا۔ سچ ہو گیا ہے اسکا سپنہ۔ بڑی خوش نصیب لڑکی ہے بلقیس۔ بہر حال اللہ اس کو سلامت رکھے۔ ہم سے کتنی دیر تک دور رہ سکتی ہے۔

خوشبو: پتہ نہیں اس وقت کہاں پہنچے ہونگے۔

شبنم: اگر آٹھ دس دن سے انہوں نے یہ سفر شروع کیا ہو گا تو پھر سرینگر تک پہنچ گئے ہونگے۔

خوشبو: پتہ نہیں کیا کیا باتیں بتا رہی ہو گی قیصر صاحب کو بلقیس۔

شبنم: اگر سرینگر میں ہونگے تو بات بھی سرینگر کے ہی بارے میں کرتے ہونگے۔

خوشبو: ہاں سرینگر تو انکی پسند کا موضوع ہے۔

پہلا منظر (ب)

(بلقیس اور قیصر ریستوراں میں باتیں کرتے ہوئے)

بلقیس: سرینگر پر میں نے بھی بہت تحقیق کی ہے۔ یہ شہر اپنی جداگانہ خصوصیات کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ اس شہر میں مشہور زمانہ جھیل ڈل واقعہ ہے جس کا نظارہ دیکھنے کے لئے لوگ دنیا کے کونے کونے سے کشمیر آتے ہیں۔

قیصر: اس جھیل کے مشرق میں ایک خوبصورت پہاڑی سلسلہ ہے جہاں پر تاریخی مغل باغات واقع ہیں۔

بلقیس: مغل بادشاہوں کی حسن شناسی اور نفاست پسندی آج تک پوری دنیا میں یادگار ہے۔ ڈل کے کنارے پر واقع نشاط باغ، شالیمار باغ، چشمہ شاہی اور ہارون وغیرہ دیکھ کر دیکھنے والا چند لمحات کیلئے دنیا کے سارے غم اور پریشانیاں بھول جاتا ہے۔

قیصر: ڈل کے مغرب میں مرکز نور آثارِ شریف درگاہِ حضرت بل واقع ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے کشمیری لوگ اہم موقعوں پر مجتمع ہو کر اللہ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہو جاتے ہیں۔

بلقیس: حضرت بل کا پرانا نام صادق آباد ہے۔ دراصل اس جگہ پر شاہجہاں کے ایک صوبیدار صادق خان طہرانی نے <u>1643ء</u> میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس جگہ پر عشرت محل بھی بنوایا تھا۔ بعد میں جب شاہجہاں کشمیر آئے تو انہوں نے یہاں ایک عبادت خانہ بنوانے کا حکم دیا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت کے دوران یعنی <u>1699ء</u> میں موئے مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کشمیر پہنچایا گیا۔

قیصر: موئے مقدسؐ یہاں کیسے پہنچا؟

بلقیس: یہ ایک لمبی کہانی ہے جو یہ جاننے کے لئے میں آپ کو ایک کتاب دیدوں گی۔ وہ پڑھ کر آپ حقائق سے آگاہ ہو جائیں گے۔

قیصر: تو اس وقت درگاہ حضرت بل کی مقدس زیارت کو آنکھوں کے سامنے لاکر یاد حق کرو۔

بلقیس :(ایک دم کھڑا ہوکر) کیوں نہ ہم شکارہ میں چلیں۔ میں آپ کو حضرت بل کے حوالے سے ایک خوبصورت نعت سناؤں گی۔ وہ میرے پاس سدا بند ہے۔

قیصر :نیکی اور پوچھ پوچھ، بسم اللہ

(اسکے ساتھ ہی یہ دونوں کردار کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

تیسرا منظر (ا)

(منظر حضرت بلہ "کس بونہ شہجارس، ونہ سردارس امتک حال" کے صوتی تاثر سے شروع ہوگا۔ پیش منظر میں درگاہ حضرت بل کو مختلف زاویوں سے منعکس کیا جائے گا۔ نعت شریف فیڈ آؤٹ ہونے پر بلقیس سی ڈی پلیئر کا بٹن دباتے ہوئے فریم میں آئیگی۔ اس کے بعد لانگ شارٹ پر قیصر اور رمضانہ بھی شکارہ میں دکھائی دیں گے)

قیصر: سبحان اللہ۔ کیا فریاد ہے۔ روح تازہ ہوگئی۔

بلقیس: اسی دوران میں ہماری آنکھوں کے سامنے تاریخی امیرا کدل آ گیا۔

قیصر: تاریخی۔ یہ تو بالکل نیا نیا سا ہے۔

بلقیس: یہ نیا پل 1982ء میں شیخ محمد عبداللہ کے دورِ اقتدار میں تعمیر ہوا لیکن اس جگہ پر جو پرانا پل تھا وہ افغان گورنر امیر خان جوان شیر نے 1774ء میں تعمیر کیا تھا۔

قیصر: وہ پل اب منہدم ہوا ہے۔

بلقیس: ہاں وہ پل حال حال ہی منہدم کیا گیا۔

(امیرا کدل کو کراس کرنے کے بعد)

قیصر: وہ بڈشاہ پل ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے بڈشاہ صاحب نے تعمیر کیا ہوگا۔

بلقیس: نہیں یہ پل 1957ء میں ریاست جموں کشمیر کے ایک سابق وزیر اعظم بخشی

غلام محمد نے تعمیر کیا ہے۔

قیصر: ان پلوں کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔

بلقیس: ہاں میری مانو تو ہم پل پر جا کر دریا کا نظارہ کریں گے۔

قیصر: بہت اچھی بات ہے۔ چلئے چلتے ہیں۔

بلقیس: رمضان چاچا...... کشتی ساحل کی جانب لے جاؤ۔

(رمضانہ شکارے کو کنارے کی طرف لے جائے گا۔ کیمرا دونوں کرداروں کا فالو کرے گا۔ اسی کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچے گا)

چوتھا منظر

(کیمرا دریا کو منعکس کرتے ہوئے Tilt Up شارٹ کے ذریعے آہستہ آہستہ اوپر کی طرف جاتے ہوئے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا۔ یہ منظر ان دونوں کرداروں کے درمیان ہو رہی گفتگو سے شروع ہوگا)

بلقیس: بستی کے نزدیک دریا ہو تو پل کا ہونا لازمی بن جاتا ہے۔ اب یہ ہے کہ پچھلے زمانے میں نہ آج کی طرح وسائل تھے نہ تکنیک تھی اور نا ہی وہ میٹریل دستیاب تھا جو آج کل زمانے میں کنکریٹ قسم کے پل بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

قیصر: میں نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں رسیوں کے پل بنائے جاتے تھے۔

بلقیس: مشہور مورخ حسن شاہ کھویہامی "تاریخ حسن" کی پہلی جلد میں لکھتے ہیں کہ ایک منٹ میں پڑھ کر سناؤں گی (بلقیس جیب سے ایک ایک کاغذ کی پرچی نکال کر اسے کھول دیتی ہے)

قیصر: اچھا...... اب یہاں پر بھی کاغذات دفتر کھل جائے گا (بلقیس یہ عبارت پڑھتی ہے)

بلقیس: در عہدِ پاستان راجہ ہائے دوران بر سطح دریای بہت سفاین عظیم ملاصق یک دیگر بہ سلاسل و زنجیر ہا مربوط ساختہ و تختہ ہای وسیع بر ان مفروش کردہ سنی جسر استوار

کردہ بودند و در فساد زولچو سر بسر ویران گشتند" (قیصر کی طرف) کچھ سمجھے گئے۔

قیصر :نہیں

بلقیس :میں معنی بتا دیتی ہوں۔ حسن لکھتا ہے کہ پرانے زمانے کے بادشاہوں نے دریائے جہلم کی سطح پر بڑی بڑی کشتیوں کو رسیوں اور زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ کر اور پھر ان پر بڑی بڑی تختیوں کا فرش بچھا کر تیں مضبوط اور استوار پل بنا دیئے تھے۔ یہ تمام پل ذلچو کے فساد کے دوران تباہ ہو گئے۔

قیصر :پھر کیا ہوا؟

بلقیس :اس کے بعد دورِ سلاطین میں مسلمان بادشاہوں نے اٹھارہ پل بنا دیئے جن میں سے سات پل شہر سرینگر میں تھے۔ یہ پل طرزِ تعمیر کے اعتبار سے مختلف نوعیت کے تھے۔

قیصر :کس نوعیت کے......؟

بلقیس :برا نہیں مانو گے تو یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تھے۔

قیصر :کیوں؟

بلقیس :یہ آپ کا سبجیکٹ ہے۔

قیصر :That is correct۔ خیر مزید بتاؤ

بلقیس :عہد سلاطین کے پل کچھ اس طرح بنائے جاتے تھے کہ ان کی بنیاد لکڑی مربع صندوقوں پر رکھی جاتی تھی۔ ان صندوقوں کو دریا میں ڈبو دیا جاتا تھا پھر ان کے اندر بھاری پتھر بھر دیئے جاتے تھے۔ انہی بنیادوں کو پلوں پر کھڑا کیا جاتا تھا اس قسم کا جو پہلا پل سرینگر میں تعمیر کیا گیا تھا وہ عالی کدل ہے۔

قیصر :یہ پل سیلابوں کا مقابلہ کر سکتے تھے کیا؟

بلقیس :تاریخی شاہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پل اکثر و بیشتر آگ، سیلاب اور دیگر فسادات کی زد میں آ کر متاثر ہوتے رہتے تھے لیکن حکام نے ان کی تعمیر و تجدید کا عمل بھی مسلسل طور پر جاری رکھا۔

قیصر :ابتدائی طور پر کون کون سا پل بتایا گیا تھا؟

بلقیس : سرینگر میں تعمیر کیئے گئے ابتدائی پلوں میں امیر خان جوان شیر کا تعمیر کیا ہوا امیرا کدل، 904ھ میں فتح شاہ کا تعمیر کیا ہوا فتح کدل، سلطان زین العابدین کے دور میں تعمیر کیا ہوا زینہ کدل، بڈشاہ کے بھائی علی شاہ کی ہدایت پر بنایا گیا عالی کدل، نورالدین خان کا بنایا ہوا نوا کدل اور سیف الدین خان کا تعمیر کیا ہوا صفا کدل شامل ہیں۔

قیصر :واہ کیا Information ہے۔

بلقیس :پلیز مجھے Complete کرنے دیجئے۔

قیصر :ویلکم جناب ویلکم

بلقیس : سرینگر کے علاوہ عہد سلاطین میں کھنہ بل، بجبہاڑہ، نایینہ، اونتی پورہ، پانپور، پانتہ چوک، سمبل، حاجن، سوپور، نوروز پور، بارہمولہ اور گوہالن میں بھی ایسے ہی پل تعمیر کیئے گئے تھے۔

قیصر :میں نے سنا ہے کہ سرینگر کے نالہ مار پر بھی چند پل تھے۔

بلقیس :چند نہیں چودہ۔ میں ان کے نام بھی آپ کو بتا سکتی ہوں۔

قیصر :ذرا بتاؤ نا۔

بلقیس :(کاغذ کھولتے ہوئے) کاغذ کی مدد لینا پڑے گی۔ ہاں ان پلوں کے نام تھے نایدہ یار کدل، جوگی لنگر کدل، ناو پورہ کدل، نایدکدل، بوہری کدل، صراف کدل، قادی کدل، راجوری کدل، کاوَڈارہ کدل، گاو کدل، ڈونبہ کدل، سکہ ڈافر کدل، رتہ پورہ کدل اور گندر پورہ کدل، اس کے علاوہ کاوڈارہ نہر پر بھی کھنہ کدل، بچھ کدل اور شکوموٹہ کدل نام کے تین پل تھے۔

قیصر :بڑی زبردست کتاب ہے یہ تاریخ حسن۔

بلقیس : تارہ بل پر نہر پر بھی چھ پل تھے جن کے نام اشرف کدل، تارہ بل کدل، مرجان پور کدل، نرورہ کدل، زونی مر کدل اور بربیہ وادی کدل لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح چونٹی کول پر بنائے گئے پلوں میں دور جگن کدل اور گاؤ کدل خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔

قیصر :زانپہ کدل اور سیدہ کدل کے نام ابھی تم نے نہیں لئے۔

بلقیس :بٹہ مالنہ کدل، زانپہ کدل اور نچہ بل کدل نالہ دودھ گنگا پر بنائے گئے پلوں کے نام ہیں جبکہ سیدہ کدل، ننده پورہ کدل اور عیش آباد کدل خواجہ یارہ بل پشتے پر بنائے گئے پلوں کے نام ہیں۔

قیصر :یہ سب شہر اور اس کے گردونواح میں پائے جانے والے ندی نالوں پر بنائے گئے پلوں کے نام ہیں اس کا مطلب ہے دیہات میں بھی اس قسم کے پلوں کی تعداد درجنوں میں ہوگی۔

بلقیس :یقیناً۔

(اس کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچے گا)

پانچواں منظر

(کیمرا سری پرتاب میوزیم کو مختلف زاویوں سے عکس بند کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اس میوزیم کی عمارت کے سامنے کھڑے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا)

بلقیس :وتستا کے کنارے پر واقع اس عمارت کے اندر کشمیر کی تاریخ اور تہذیب سے متعلق ایسی نادر چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر آدمی واقعی چونک جاتا ہے۔

قیصر :یہ سری پرتاب میوزم ہے نا؟

بلقیس :ہاں، یہ عجائب گھر ریاست کی تمدنی میراث کے حوالے سے ایک اہم ادارہ ہے۔

قیصر :یہ کب بنایا گیا ہے؟

بلقیس :کشمیری انسائیکلوپیڈیا جلد (ا) میں لکھا ہے کہ مارچ 1898 میں جنرل راجہ سرامر سنگھ اور این ایچ گاڈومرے نے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو تجویز پیش کی کہ یہاں پر ایک عجائب گھر ہونا چاہئے جس میں قدیم ادوار سے وابستہ نادر چیزیں

ہوں۔ اُنہوں نے ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ سرینگر اور جموں کے توشہ خانوں سے اس عجائب گھر کے لئے تحفے بھجوائے جائیں۔

قیصر : پھر.....؟

بلقیس : پھر یہ ہوا کہ مہاراجہ اور حکمران خاندان کے شہزادوں کو یہ تجویز پسند آئی اور سری پرتاب سنگھ کے نام پر عجائب گھر قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ابتداء میں یہاں پرانے شالوں اور جنگی ہتھیاروں کو رکھا گیا بعد میں مختلف نوادرات کیلئے الگ الگ شعبے قائم کئے گئے۔

قیصر : کیوں نہ ہم یہ الگ الگ شعبے دیکھنے کے لئے اندر جائیں۔ اجازت نامہ تو مرے خیال میں تم نے حاصل کیا تھا۔

بلقیس : (مسکراتے ہوئے) شکر ہے کہ کل والی بات اب آپ کو سمجھ آ ہی گئی۔

قیصر : No taunting Please

بلقیس : (قیصر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) Taunting سبحان اللہ۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ چلئے چلتے ہیں اندر۔

چھٹا منظر

(کیمرا اس سیکشن میں رکھے گئے سکوں کو منعکس کرتے ہوئے گھماؤ شارٹ کے ذریعے بلقیس اور قیصر پر فوکس ہوگا)

بلقیس : یہ اس میوزیم کا اہم سیکشن ہے۔ اس سیکشن میں کشان دور سے لیکر ڈوگرہ دور تک تقریباً ہر عہد سے لئے گئے سکے رکھے گئے ہیں۔

(اس کے بعد کیمرا ان دونوں کرداروں کا فالو کرتے ہوئے اُس شعبے کو منعکس کریگا جس میں مورتیاں رکھی گئیں ہیں)

بلقیس : یہاں پر چھٹی صدی عیسوی سے لیکر بارہویں صدی عیسوی تک کے عرصے کی اُن اہم مورتیوں کو رکھا گیا ہے جن میں سے بیشتر مختلف جگہوں پر کھدائی

کرنے کے دوران زمین کے نیچے سے نکالی گئیں ہیں۔

قیصر :وہ دیکھئے ٹینکریوں کے ٹائل ہیں۔

بلقیس :(قیصر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے) یہ ٹائل دوسری صدی عیسوی سے لیکر پندرہویں صدی عیسوی تک کے مختلف ادوار میں ہوٹہ مرہ، پوپہ نار، پہلگام، ہارون اور مدین صاحب وغیرہ علاقوں میں تعمیرات میں استعمال کئے گئے ہیں۔ ان علاقوں سے ان ہی روایتی ٹائلوں کے نمونے ملے ہیں۔

قیصر :(بلقیس کے دوش بدوش آگے چلتے ہوئے) وہاں سے مختلف دھاتوں کے پرانے برتن بھی دِکھتے ہیں۔

بلقیس :یہ برتن اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہیں۔ چند برتن پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ چاندی کے برتن، تانبے کے برتن، غرض مختلف دھاتوں کے بنے برتن۔ ان میں سے چند برتن لداخ کے علاقے میں بنے ہوئے ہیں۔

قیصر :یہاں تو چیزیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ وہ دیکھو وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارتیں۔ کچھ عبارت تو بوجھ پتر پر بھی لکھی ہوئی ہے۔

بلقیس :میں یہ سب چیزیں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔ آپ کو دکھانے کے لئے یہاں آئی ہوں۔

قیصر :(نرم لہجے میں) بہت بہت شکریہ محترمہ کا!

(دونوں ہنستے ہیں)

بلقیس :آپ کو پتہ ہے کہ بوجھ پتر پر لکھی گئی یہ عبارت پالی اور شاردا لپی میں ہے۔ ان مسودوں میں مشہور مغل بادشاہ جہانگیر کے ہاتھ سے لکھا گیا ایک قلمی دستاویز بھی ہے جو فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فارسی، عربی اور شاردا خطوں میں لکھے گئے اہم مسودات میں بحر طویل، فارسی جغرافیہ، فال نامہ، زلزلہ نامہ، ریشی نامہ، سکندر نامہ اور علم فلکیات جیسے مسودات بھی شامل ہیں۔

قیصر :تمہاری واقفیت سچ مچ قابل داد ہے۔

بلقیس :اس میوزیم میں روایتی نوعیت کے جنگی ہتھیار بھی ہیں جن میں چاقو سے لیکر

توپ تک مختلف ہتھیار شامل ہیں۔ اخروٹ کی لکڑی اور پیپر ماشی کی بنی مختلف آرائشی چیزیں اور روایتی فرنیچر کو بھی یہاں رکھا گیا ہے۔ موسیقی کے مختلف آلات جن میں سنطور، سیتار، رباب، طبلہ، چنگہ اور سارنگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں بھی اس عجائب گھر میں موجود ہیں۔

قیصر :ان چیزوں کی ایک فہرست ہونی چاہئے تھی۔

بلقیس :آپ کو یہ خیال آج آیا لیکن یہ کام سب سے پہلے سری پرتاب سنگھ کے زمانے میں ہی ایک اکونٹنٹ جنرل مسٹر بلیر نے کیا تھا۔

قیصر :وہ دیکھو جنگلی جانور، پیڑ پودے، پرندے، سنگ مرمر، سنگ سیاہ، چمڑے اور گھاس کے بنے ہوئے جوتے۔ یہاں پر کتنی اچھی چیزیں ہیں۔

(اسی کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

تیسرا منظر (ب)

(قیصر، بلقیس اور رمضان چاچا شکارہ میں بیٹھے ہیں اور باہمی گفتگو ہو رہی ہے، کیمرا رمضان چاچا کے پل آؤٹ شارٹ سے شروع کر کے آہستہ آہستہ تینوں کرداروں اور شکارہ کو فریم میں لائے گا)

قیصر :رمضان چاچا آپ نے وہ نظم سنانے کا سلسلہ بند کیوں کیا؟

(شکارہ آگے کی جانب نکالتے ہوئے)

رمضان چاچا: صاحب وہ سلسلہ پھر شروع کریں گے لیکن یہاں پر ایک اور اہم جگہ آگئی۔ دیکھنے کے قابل۔ میرا مطلب ہے شیر گڑھی......

بلقیس :ہاں......شیر گڑھی دراصل ایک تاریخی قلعہ تھا اور اسے پٹھان گورنر امیر خان جواں شیر نے 1770ء میں تعمیر کیا تھا۔ اسی کے نام پر اس قلعہ کا نام شیر گڑھی رکھا گیا ہے۔

قیصر :کیا نام اور کیا کام............(ہنستا ہے)

بلقیس : مطلب یہ کہ اس امیر خان جوان شیر کے نام کے پہلے حصے پر ہمارا تاریخی امیرا کدل بھی آباد ہے اور اسی کے نام کے دوسرے حصے پر شیر گڑھی۔

بلقیس : واقعی نام بھی بڑا اور کام بھی عظیم (بلقیس ہنستی ہے)

رمضانہ : میں نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں اس علاقے میں کوئی آبادی وغیرہ نہیں تھی۔ یہ بالکل ویران اور غیر آباد علاقہ تھا۔

بلقیس : بالکل صحیح سنا ہے آپ نے۔ کہا جاتا ہے کہ قلعے کے گردونواح میں ہر طرف چکش تھی اور دور دور تک زمین دلدل تھی۔

قیصر: یہ قلعے دراصل دفاعی مقاصد کے تحت تعمیر کیے جاتے تھے۔

بلقیس: ان کی طرز تعمیر دیکھ کر انسان کی عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔ خاص کر پرانے زمانے میں تعمیر کیے گئے قلعے۔

قیصر: یہ قلعہ بھی کون سا نیا ہے۔

بلقیس: نیا تو نہیں ہے لیکن اس کی تعمیر تجدید کا کام ڈوگرہ دور کے دوران کیا گیا ہے۔ ڈوگرہ مہاراجوں نے نہ صرف اس کی مرمت کی تھی بلکہ اس کا نام بدل کر نرسنگھ گڈھ رکھا تھا۔ تاہم لوگ اب بھی اسے شیر گڑھی کے نام سے ہی جانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قلعے کے جنوب میں ڈوگرہ دور کے دوران دربار سجایا جاتا تھا۔ آجکل یہاں پر اسمبلی ہال قائم ہے۔

قیصر : اور اب میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس تاریخی جگہ کو ''تہذیب محل'' میں تبدیل کیا جارہا ہے اور اسمبلی ہال کے لئے کوئی اور جگہ مقرر کی گئی ہے۔

بلقیس : ہاں۔ سرکار اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔

قیصر: بہر حال کھنڈر بتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔ رمضانؔ چاچا کا کیا خیال ہے؟ میرے خیال میں اب آپ نظم سنایئے۔ نظم سننے کا موڈ ہے۔

رمضانہ : جب اتنی اچھی اچھی باتیں سنا رہے ہیں آپ لوگ نظم میں کیا رکھا ہے۔

بلقیس : نہیں۔ وہ نظم لاجواب ہے۔ مجھے اس کا ایک ایک شعر پسند ہے۔

ژلاں چھم شرحابن، اضطرابن، ولولن اندر

ابا جی اکثر گنگناتے رہتے تھے۔

رمضانہ: اُنہی ہی کی بدولت مجھے بھی یاد ہوگئی۔

قیصر: تو ہو جائیں ایک دو اشعار

رمضانا: چلو ایک دو بند گاتے ہیں:

مےٚ وُچھ لہرن ہندٕ بن قہرن، تنازن لایہٕ لاین گُن
گنبر أسھ کنبر میون وُچھ، مےٚ وُچھ جھگڑن تہٕ نیاین گُن
گنبر نے آسِہ یم جاہٕل و پہٕن کتہٕ عاقلن اندر
یوان چھُم زندگی ہُنٛد سوز سفرن منزلن اندر
نہٕ چھُس رِندا نہٕ مستانا، بہ چھُس اکھ لولہٕ دیوانا
گٲہے گرداب، گاہ سہلاب، گاہے تیز طوفانا
ڈلن ہنز شوب، سدرکٕ شان میانین ولولن اندر
یو ان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر

بلقیس: واہ واہ...... واہ واہ...... کتنا گہرا فلسفہ ہے ان اشعار میں

قیصر: پہلے والے بند میں یکسوئی کی بات کہی گئی ہے جس کی برکت سے جاہل لوگ اپنی جاہلانہ حرکتوں کے باوجود بھی کاروان کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بلقیس: دوسرے بند میں دریا اپنی اصلی ہیئت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نہ میں رند ہوں نہ مستانہ۔ اگر ہوں تو صرف شفقت بھرا ایک دیوانہ جو کبھی گرداب، کبھی سہلاب اور کبھی تیز طوفان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پانی کے جتنے بھی ذخائر ہیں اُن کی آن، بان اور شان مرے ولولے میں پنہاں ہے۔

قیصر: بہت خوب...... رمضان چاچا۔ مرے خیال میں کچھ اور گایئے......

بلقیس: صحیح کہتے ہیں رمضان چاچا۔

قیصر: اس معاملے میں تو نا کہنے کی جرات کس کو ہوگی۔

ساتواں منظر

(کیمرا خانقاہ معلیٰ کو اوپری حصے سے Tilt down کرتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے آئے گا۔ بلقیس اور قیصر فریم انٹر کرنے کے بعد دست بدعا ہو جائیں گے)

بلقیس: (دعا مانگنے کے بعد) زینہ کدل اور فتح کدل کے بیچ جہلم کے کنارے پر واقع خانقاہ معلیٰ کشمیری قوم کی روحانی زندگی کا ایک اہم مرکز ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ کشمیر میں اسلام وارد ہونے سے پہلے اس جگہ پر ایک برہمن رہتا تھا جسکا نام شاہ پور تھا۔ اسی نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔

قیصر: یہ خانقاہ امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے ساتھ منسوب ہے۔ میر سید علی ہمدانیؒ ایک بلند پایہ روحانی بزرگ تھے۔

شازی: امیر کبیرؒ نے ہمدان سے اپنے ہمراہ سات سو سادات لائے اور کشمیر میں دین فطرت مذہب اسلام کا فیض عام کیا۔

قیصر: میرے خیال میں یہ تیرھویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔

بلقیس: آپ کی رائے بالکل درست ہے۔

تاہم خانقاہ معلیٰ کی عمارت 1394ء میں تکمیل کو پہنچی۔

قیصر: یہ عمارت کس نے تعمیر کروائی ہے؟

بلقیس: کہا جاتا ہے کہ 1379ء میں کشمیری بادشاہ قطب الدین نے شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے لئے اس جگہ پر ایک حجرہ بنوایا۔ بعد میں حضرت امیرؒ کے فرزند نے بھی اسی جگہ کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا۔ اسی زمانے میں سلطان سکندر نے میر محمد ہمدانیؒ کی اجازت سے اس جگہ پر خانقاہ بنوائی۔ تاریخی حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ اس خانقاہ میں سینکڑوں مرید یعنی چیلے رہتے تھے۔ سلطان سکندر کی بنائی ہوئی یک منزلہ خانقاہ 1480ء میں آگ کی ایک بھیانک واردات کی زد میں آگئی۔ بادشاہِ وقت حسن شاہ نے بعد میں

اسی جگہ پر دوسری خانقاہ بنوائی۔

قیصر: تو یہ وہی عمارت ہے؟

بلقیس: نہیں۔ سلطان حسن شاہ کے بیٹے محمد شاہ کے دور میں یہ خانقاہ پھر گر گئی اور اس جگہ ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی۔ اس نئی تعمیر کی نگرانی سلطان کی ملکہ صالحہ موج نے کی۔ یہ تعمیر 1493ء کو تکمیل کو پہنچی۔

قیصر: اچھا۔

بلقیس: 1731ء میں خانقاہ معلیٰ کی عمارت آگ کی ایک اور واردات کی زد میں آگئی۔ یہ وہ دور ہے جب کشمیر پر افغانوں کی حکمرانی تھی۔ افغان گورنر ابولبرکات نے نئی تعمیر 1732ء میں تکمیل کو پہنچائی۔

قیصر: مجھے یہ بتایئے کہ جو خانقاہ اس وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے یہ کس نے بنوائی ہے۔

بلقیس: یہ وہی ابوالبرکات کی بنائی ہوئی خانقاہ ہے تاہم 1826ء میں شدید بھونچال سے خانقاہ کا اوپری مینار گر گیا تھا جو بعد میں پھر سے بنوایا گیا۔

قیصر: خانقاہ کے دروازوں پر کنندہ کاری کا کام بے مثال ہے۔ لکڑی میں ابھارے گئے گل بوٹے، عربی خطاطی کے دلکش نمونے اور طرز تعمیر کی دیگر نزاکتیں قابل دید ہیں۔

بلقیس: خانقاہ کے صحن کو یہاں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں بڑے بڑے جلسے ہوئے ہیں جن میں کشمیریوں نے اہم فیصلے لئے ہیں۔ یہاں پر وہ یادگار پلیٹ فارم بھی ہے جس پر کشمیریوں نے 1931ء میں لکھنے اور بولنے کی آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔

قیصر: کشمیر کی روحانی، سماجی، مذہبی، معاشی اور سیاسی زندگی میں اس خانقاہ کا کافی عمل دخل رہا ہے۔

بلقیس: کشمیر حقیقت میں اعلیٰ پایہ کے ریشیوں منیوں اور روحانی بزرگوں کی سرزمین ہے۔ ان بزرگوں نے بھائی چارہ، محبت، انسان دوستی اور اخلاص کا جو پیغام

دیا ہے وہ نہ صرف کشمیریوں بلکہ پوری عالم انسانیت کے لئے درسِ ہدایت ہے۔

قیصر: آؤ ہم بھی دست بدعا ہوکر اللہ کی بارگاہ میں التجا کریں کہ وہ عالم انسانیت کوحق وصداقت کی راہ پر گامزن کر کے تمام ذہنی پریشانیوں کا ازالہ کرے۔

بلقیس: آمین۔ ثمہ آمین

(اسی کے ساتھ اس دستاویز ڈرامے کی یہ قسط اختتام کو پہنچتی ہے۔

O□O

وتستا کی سیر!

قسط 9

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	رمضانہ	55سال
4	ایک شخص	35سال
5	پروفیسر	58سال
6	محقق	60سال
7	تحصیلدار	
8	سکریٹری	
9	راوی	

پہلا منظر (ا)

(کیمرا جہلم کو ایک لانگ شارٹ پر منعکس کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اُس شکارہ پر فوکس ہوگا جس میں قیصر، بلقیس اور رمضانہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ رمضانہ دریا نظم کے اشعار گا رہا ہے)

پنز نرمی تہٕ گرمی منزلن منز واتہ ناوان چھم
نوبن منزلن تہٕ سفرن منز نووٕ سے دُنیا مےٗ ہاوان چھم
گربزان چھس جنگلن اندر، وَزان پوشن گلن اندر
یوان چھم زندگی ہُند سوز سفرن منزلن اندر

بلقیس: مجھے اپنی نرم روی اور قوت منزلوں تک پہنچا دیتی ہے نئی منزلوں اور نئے سفروں میں مجھے نئی دنیا سے آشنا کرا دیتی ہے۔ میں جنگلوں کے اندر گرجتا ہوں اور گلستانوں میں کھنکتا ہوں مجھے زندگی کا حقیقی سوز سفر کرنے اور منازل طے کرنے میں ہی ملتا ہے۔ کیا خیال آرائی ہے۔

قیصر: یہ شاعرانہ کلام سن کر کشمیر کے شاندار علمی اور ادبی پس منظر کی داد دینا پڑتی ہے۔

بلقیس: بالکل درست کہا آپ نے۔ روحانی فیض اور فطری حسن کے ساتھ ساتھ یہاں ہر دور میں فکر و فلسفہ بھی پروان چڑھا ہے۔ سنسکرت زبان کے اولین دور کے اعلیٰ پایہ کے علماء اور شعراء کا تعلق کشمیر کے ساتھ رہا ہے۔ اس دھرتی پر ممٹ، رتنا کر، ابھنو گپت اور بھرت جیسے علماء و شعراء نے شعر و ادب اور آرٹ سے متعلق آفاقی نوعیت کے نظریات کی بنیاد ڈالی۔

قیصر: تاریخ نویسی کے شعبے میں بھی کشمیریوں نے برصغیر میں بنیادیں فراہم کی ہیں۔

کلہن کی راج ترنگنی دنیا کی قدیم ترین تواریخ میں شمار ہوتی ہے۔

بلقیس: آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس وقت کہاں پر ہیں؟

قیصر: ہاں ہم علاقہ سوناواری میں ہیں۔

بلقیس: کلہن کا اس علاقے کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔

قیصر: وہ کیسے؟

بلقیس: میں بتادوں گی......اس وقت ہم شادی پورہ کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ شادی پورہ کا تاریخی نام شہاب الدین پورہ ہے۔ رمضان چاچا یہ گاؤں سرینگر سے کتنا دور ہوگا۔

رمضانہ: یہی کچھ بائیس کلومیٹر کے قریب۔ اس گاؤں کے بارے میں وتستا کے حوالے سے ایک بات بہت اہم ہے۔

قیصر: بھلا کونسی بات؟

رمضانہ: یہاں جہلم کے ساتھ دریاء سندھ ملتا ہے اور یہ سنگم نہایت اہم اور متبرک مانا جاتا ہے۔

بلقیس: بالکل صحیح کہا۔ شادی پورہ کے مغرب میں کچھ تین کلومیٹر کی دوری پر ترِ گام نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔ راج ترنگنی میں اس گاؤں کا نام ترگرامی لکھا گیا ہے۔ یہ گاؤں تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ تواریخی حوالہ جات سے واضح ہوجاتا ہے کہ پچھلے زمانے میں جہلم اور سندھ ترگام کے مقام پر ہی ملتے تھے۔

قیصر: پھر یہ سنگم یہاں کیسے پہنچ گیا؟

بلقیس: حکیم سُیا نے نویں صدی عیسوی میں سیلابوں کا سدباب کرنے کے لئے اس علاقے میں جہلم کا رخ بدل دیا۔ نتیجے کے طور پر ترگام میں واقع سنگم شادی پورہ پہنچ گیا۔

قیصر: شادی پورہ۔ یعنی وہ گاؤں جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں۔ یا وہ گاؤں جو شادی بیاہ کے لئے موزوں ہے۔ (سب ہنستے ہیں)

بلقیس: جیسا کہ میں نے بتایا شادی پورہ کا تاریخی نام شہاب الدین پورہ ہے۔ اس کی

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسے شاہمیری خاندان کے مشہور بادشاہ سلطان شہاب الدین نے چودھویں صدی عیسوی میں اپنے نام پر آباد کیا تھا۔

قیصر: اچھا پھر تو یہ ایک تاریخی جگہ ہے یہاں پر تاریخی عمارات کے آثار قابل دید ہوں گے۔

بلقیس: نہیں میں نے کتابوں میں پڑھا ہے ایسی کوئی تعمیر اب اس گاؤں میں موجود نہیں ہے۔ ہاں سری نگر بانڈی پورہ راستے پر سفر کرتے ہوئے دائیں جانب اینٹوں کے بنے کسی پل کی بنیادیں موجود ہیں۔ یہ پل کس قسم کا تھا وہ کہنا اب مشکل ہے۔

قیصر: کچھ نہیں تو وہ آثار دیکھ لیں گے ہم۔

بلقیس: یعنی آپ کا مطلب ہے کہ ہم گاؤں کے اندر چلیں گے۔

قیصر: بالکل۔

بلقیس: اچھی بات ہے۔ چاچا ساحل کی طرف لے چلئے۔

(رمضان چاچا کشتی کو کنارے کی طرف کھینچ لے گا اور یہ منظر اختتام کو پہنچے گا)

دوسرا منظر

(کیمرا برلب سڑک واقع تاریخی آثار کو منعکس کرتا ہے اور اسی دوران بلقیس اور قیصر فریم میں داخل ہوتے ہیں۔ پل کے ستونوں کو دیکھ کر وہ سڑک پار کرتے ہیں۔ اور تر گام کی طرف چل پڑتے ہیں۔ راستے میں مقامی لوگ ان سے ملتے ہیں بلقیس اور قیصر ان سے مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں۔

قیصر: بھائی صاحب یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟

ایک شخص: تر گام کی جانب

بلقیس: اچھا.....تو یہی راستہ ہے۔

ایک شخص: آپ کو کہاں جانا ہے؟

بلقیس: ہم اس علاقے کی تاریخی جگہیں دیکھنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ کہتے ہیں نا کہ یہ پورا علاقہ تاریخی اعتبار سے بڑا اہم رہا ہے۔

ایک شخص: ہاں بہن جی۔ یہاں سے دو تین کلومیٹر کی دوری پر کہنہ شہر یعنی پتھروں کا شہر ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ کسی زمانے میں کشمیر کی راجدھانی رہی ہے۔ (بس کے چلنے کا شور) میں آپ کو اور بھی باتیں سنا دیتا لیکن گاڑی آ رہی ہے۔ اگر چھوٹ گئی تو پھر میں شہر نہیں جا سکوں گا۔

قیصر: نہیں نہیں۔ آپ جایئے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ (ایک شخص دوڑ کے چلا جاتا ہے۔)

(بلقیس اور قیصر بید کے دو درختوں کے بیچ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں)۔

قیصر: یہ پتھروں کا شہر کونسی جگہ ہے؟

بلقیس: میرے خیال میں یہ پری ہاس پورہ کی بات کر رہا تھا۔ یہاں سے تھوڑا دور ایک پہاڑی پر واقع یہ تاریخی جگہ آٹھویں صدی عیسوی کے دوران کشمیر کی راجدھانی تھی۔

قیصر: یہ کس راجہ کے دور اقتدار کی بات ہے؟

بلقیس: کشمیر کے مشہور و معروف بادشاہ للتا دیتہؒ نے پری ہاس پورہ بسایا تھا۔

قیصر: تم نے وہ جگہ دیکھی ہے؟

بلقیس: نہیں لیکن اس کے مذہبی تعمیرات کے آثار کی کئی تصویریں میں نے کتابوں میں دیکھی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں ایک پروفیسر صاحب کے پاس ابا جی کے لئے تاریخ کی ایک کتاب لانے کیلئے گئی تھی۔ ان کے ساتھ ضمناً پری ہاس پورہ کی بات چلی تھی پھر انہوں نے کچھ باتیں تفصیل سے سنائی تھیں۔ جواب بھی میرے ذہن میں گونج رہی ہیں۔

تیسرا منظر

(یہاں پر فلیش بیک تکنیک کا استعمال کر کے بلقیس اور پروفیسر صاحب کے درمیان پریہاسپورہ کے بارے میں ہوئی گفتگو کو پیش کیا جائے گا)

پروفیسر : سرینگر کے شمال مغرب میں 27 کلومیٹر کی دوری پر واقع پریہاسپورہ کوللتادتیہ نے ساتویں صدی عیسوی میں بسا کر اسے کشمیر کی راجدھانی بنادیا۔

بلقیس :اس کا نام پر یہاس پورہ کیوں پڑا ہے؟

پروفیسر :پر یہاس پورہ سنسکرت زبان کے دولفظوں کا مرکب ہے اور اس کا مطلب ہے ہنستا ہوا شہر۔ یہ نام اس جگہ کو کیوں دیا گیا یہ ایک تحقیق طلب معاملہ ہے۔

بلقیس : کہتے ہیں کہ بہت پہلے جہلم پری ہاس پورہ علاقہ سے ہی گزرتا تھا؟

پروفیسر : تاریخی کتابوں میں اس بارے میں کچھ ایسا لکھا ہے کہ جب پر یہاس پورہ کشمیر کی راجدھانی تھی اس وقت دریائے سندھ اور جہلم کا سنگھم ترگام کے مقام ہوتا تھا پھر یہ دونوں دریاء نائد کھے سے ہوتے ہوئے ننگلی نالہ کو اپنے ساتھ ملا کر وُلر کے ساتھ ملتے تھے۔ کلہن نے یہ بھی لکھا ہے کہ سنگھم کے مقام پر دریاء کے دو کناروں پر دو مندر بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

بلقیس :اس شہر کے کچھ آثار ملے ہیں کیا؟

پروفیسر :بہت کم۔ حسن شاہ کھویہامی نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے اس مقام پر لوہے کی اینٹوں کا ایک قلعہ بھی بنوایا تھا اور اس میں استعمال شدہ لوہے کی اینٹیں بیسویں صدی کی ابتداء تک کسانوں کو زمین جوتنے کے وقت زمین میں ملی تھیں۔

بلقیس :ایسا لگتا ہے کہ ایک عالیشان شہر رہا ہے پر یہاس پورہ۔

پروفیسر :اس میں کوئی شک ہی نہیں تاہم اس شہر کی تباہی کے اسباب میں راجہ اونتی ورمن کے دور میں سنگھم کو ترگام سے شادی پورہ منتقل کرنا، شنکر ورمن کے دور میں پر یہاس پورہ کی عمارتوں کو مسمار کر کے اُن کے میٹریل کو پٹن کے مندروں

میں استعمال کرنا اور راجہ ہرش کے راج کے دوران اس کی آتشزدگی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابوالفضل نے اس کی تباہی کا ذمہ دار سلطان سکندر کو ٹھہرایا ہے۔

بلقیس :بہر حال کچھ بھی ہو یہ شہر اور اس کے آثار موجود نہیں رہے ہیں یہ اچھا نہیں ہوا ہے۔

(فلیش بیک ٹوٹتا ہے)

قیصر :کہاں کھو گئی تھی! پر یہاسپورہ میں؟

بلقیس :ہاں

قیصر: اب کیا ارادہ ہے؟

بلقیس: واپس شکارہ میں بیٹھ کر سمبل کا رخ کریں گے۔

قیصر: تو پھر چلو۔

بلقیس: ہاں چلتے ہیں۔

پہلا منظر (ب)

(کیمرہ انکا پیچھا کرے گا۔ پھر دریائے جہلم کو منعکس کرتے ہوئے شکارہ پر فوکس ہوگا جہاں رمضان چاچا بیٹھا ہوا ہے۔ بلقیس اور قیصر فریم میں داخل ہوں گے۔ شکارہ نکالنے کے ساتھ ہی رمضانہ گنگنانے لگے گا۔ کیمرا جہلم کو پھر مختلف زاویوں سے عکس بند کرے گا۔ پس منظر میں موسیقی کے مدھم تاثرات ہوں گے۔ اس کے بعد شکارہ پھر پیش منظر میں آئے گا اور رمضان چاچا بولے گا)

رمضانہ: یہ سمبل ہے۔

بلقیس: سمبل سوناواری کا تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے۔

قیصر: سوناواری کس قصبے کا نام ہے۔

بلقیس: سوناواری اس پورے علاقے کو کہتے ہیں۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ یہ علاقہ

بہت نشیبی ہے اس لئے اسے "سنز دور" یعنی بہت نشیبی علاقہ کہتے تھے۔ پھر جب عوامی راج کے دوران اس علاقے میں سیلابوں کی روک تھام کے لئے اقدامات کئے گئے تو اس کا نام سنی وارہ سے سوناواری پڑ گیا۔

قیصر: بڑا اچھا نام ہے۔

بلقیس: اس علاقے کی اہمیت کی کئی وجوہات ہیں۔ شادی پورہ کے علاوہ یہاں ایک اور تاریخی گاؤں ہے جو سمبل کے بالکل نزدیک واقع ہے۔

قیصر: اس گاؤں کا نام کیا ہے؟

بلقیس: اندرکوٹ

قیصر: اندرکوٹ کی اہمیت سے ذرا ہمیں بھی آگاہ کرلو۔

بلقیس: یہ علاقہ عہد قدیم میں مذہبی عقیدت کے اعتبار سے ایک اہم مرکز رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ جے پیڈ اور اس کے وزراء نے اس جگہ پر کئی وشنو اور بودھ مندر بنائے تھے اس کے علاوہ یہاں اہم قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جہاں آخری ہندو ملکہ کوٹہ رانی کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان شاہ میر کا مدفن بھی اسی گاؤں میں واقع ہے۔

قیصر: اس گاؤں کے بارے میں پروفیسر صاحب نے کچھ نہیں کہا ہے کیا؟

بلقیس: نہیں، اس ضمن میں میں نے ایک دن ایک اور محقق کے ساتھ بات کی تھی۔

چوتھا منظر

(یہاں پر پھر فلیش بیک تکنیک کا استعمال کیا جائے گا)

(محقق اور بلقیس اندرکوٹ کے بارے میں محو گفتگو)

محقق: اندرکوٹ تحصیل سوناواری جو اب ضلع بانڈی پورہ میں آتا ہے، کا ایک تاریخی گاؤں ہے سرینگر سے تقریباً 27 کلومیٹر دور یہ گاؤں آٹھویں صدی عیسوی کے دوران راجہ جے پیڈ کی توجہ کا مرکز رہا۔ یہاں پر ایک مضبوط قلعے کے علاوہ

چند بورھ وہاراور وشنو مندر تعمیر کئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جزیرہ نما جگہ تھی جس کی وجہ سے یہ دفاعی اعتبار سے اہم گردانی جاتی تھی اور کشمیر کے اکثر حکمران بحران کے وقت یہاں پناہ لیتے تھے۔

بلقیس :پھر اس کی اہمیت کس طرح کم ہوئی؟

محقق :بیٹی دراصل وتسا کے بہاؤ کا رُخ راجہ اونتی ورمن کے دور میں سیا نے ذرا بدل دیا۔ ترگام سنگھم کو شادی پورہ پہنچایا گیا۔ نتیجے کے طور پر اندرکوٹ کے راستے آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس کے بعد یہاں کی عمارات کو مسمار کر کے اُن کا میٹریل شنکر پورہ یعنی پٹن پہنچا دیا گیا۔ اس کے علاوہ 1460ء میں آئے ایک خطرناک سیلاب نے بھی اس علاقے کو برباد کر دیا۔

بلقیس :خیر علاقے کی تاریخی اہمیت کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا ہے؟

محقق :وہ کیسے۔ یہ علاقہ اتنا اہم رہا ہے کہ یہاں عہد قدیم میں ''ناگ یاترا'' نام سے ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا اور اس میلے میں بڈشاہ ہر سال خود شرکت کرتا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرزا حیدر دوغلت نے یہاں پر راج محل بھی بنوایا تھا اور وہ اس میں سکونت کرتے تھے۔ ابوالفضل اس محل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب 1592ء میں مشہور مغل بادشاہ اکبر وارد کشمیر ہوئے تو وہ اسی محل خانے میں رہے۔

بلقیس :بہر حال گو کہ اب اندرکوٹ میں کوئی بھی شان وشوکت والی چیز موجود نہیں لیکن ماضی کے حوالے سے اس کی عظمت کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

(فلیش بیک ٹوٹ جاتا ہے)

(قیصر اور بلقیس شکارہ میں)

قیصر: شاید ہی کشمیر کا کوئی گاؤں ایسا ہوگا جس کے پیچھے کوئی نہ کوئی دلچسپ اور قابل غور کہانی نہ ہو۔

بلقیس: میرے خیال میں سمبل کے اندر داخل ہوجائیں گے اور یہاں کے تحصیلدار صاحب کے ساتھ اس پورے علاقے کے بارے میں بات چیت کریں گے۔

قیصر : بے شک...... چاچا کشتی کنارے کی طرف لے جائیے۔

پانچواں منظر

(کیمرا تحصیلدار کے دفتر کو مختلف زاویوں سے منعکس کرنے کے بعد تحصیلدار پر فوکس ہوتا ہے جو بلقیس اور قیصر کے ساتھ سمبل کے بارے میں محو گفتگو ہے)

تحصیلدار : سرینگر سے چھبیس کلومیٹر کی دوری پر واقع یہ قصبہ تقریباً دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔

بلقیس : یعنی یہاں کی آبادی دس ہزار کے قریب ہے۔

تحصیلدار : جی ہاں۔ لوگ مختلف پیشوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کل آبادی کا تقریباً نصف حصہ کھیتی باڑی کا کام کر کے روزی روٹی کماتا ہے۔ یہاں پر تاجروں اور سرکاری ملازمین کی بھی کمی نہیں ہے۔

قیصر : تعلیم کا منظر نامہ کیا ہے؟

تحصیلدار : ایک ہائر سیکنڈری اسکول، ایک گرلز ہائی سکول، کئی سرکاری اور غیر سرکاری مڈل اور پرائمری اسکول اس علاقے میں چل رہے ہیں اور ہر اسکول میں لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد زیر تعلیم ہے۔ یہاں کے لوگ اب ڈگری کالج کیلئے بھی پر زور مطالبہ کر رہے ہیں۔ تعلیم تو اب عام ہو رہی ہے۔

بلقیس : لوگوں کی مالی حالت کیسی ہے؟

تحصیلدار : مجموعی طور پر اطمینان بخش ہے۔ غریبی کے مقررہ نشان سے نیچے گزر بسر کرنے والے لوگ یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں عام طور پر متوسط طبقے کے ساتھ وابستہ لوگ ہی یہاں رہتے ہیں۔

قیصر : سمبل کے ارد گرد کون کون سے اہم علاقے ہیں؟

تحصیلدار : سمبل کے مشرق میں کشمیر کی مشہور و معروف جھیل مانسبل، تاریخی جھروکہ باغ اور صفا پورہ واقع ہیں جبکہ مغرب کی جانب اندرکوٹ کی تاریخی بستی ہے۔ شمال

میں شادی پورہ اور جنوب میں حاجن کی بستیاں آباد ہیں۔

بلقیس : مجھے لگتا ہے یہاں لوگوں کو زندگی کی بنیادی سہولیات دستیاب ہیں۔

تحصیلدار : بالکل۔ چونکہ یہ علاقہ سرینگر کے نزدیک ہی واقع ہے اس لئے یہاں لوگوں کو سبھی جدید سہولیات دستیاب ہیں۔

قیصر : تحصیلدار صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔

(قیصر کھڑا ہو کر تحصیلدار صاحب کے ساتھ ہاتھ ملاتا ہے اور یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

چھٹا منظر

(راوی دریاء کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہانی کو آگے بڑھاتا ہے)

راوی: سمبل کو دیکھنے کے بعد بلقیس اور قیصر پھر شکارہ میں بیٹھ کر سیدھے حاجن کی جانب بڑھ جانے کے بجائے وتستا کے مشرق میں واقع مشہور مانسبل جھیل کو دیکھنے کیلئے جاتے ہیں۔ شفاف پانی کی اس جھیل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ ناپی نہیں جاسکتی۔ یہ جھیل کشمیر کا اہم سیاحتی مرکز ہے۔ یہاں ایک تاریخی مندر بھی ہے۔ مانسبل کے مغرب میں جھیل کے اس پار صفا پورہ قصبہ کے بالکل نزدیک ایک تاریخی باغ ہے جسے جروگہ باغ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان زین العابدین بڈشاہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہاں ''باغ صفا'' کا محل تعمیر کرایا تھا۔ اس محل میں سردار جے سمیا کی تاجپوشی کی گئی تھی۔ مغل بادشاہ اکبر نے بھی سولہویں صدی عیسوی میں یہاں ایک باغ تعمیر کرایا۔ تاریخی آثار کا مشاہدہ کرنے اور باغ میں گھومنے کے بعد بلقیس اور قیصر دوبارہ شکارہ میں بیٹھ کر وتستا کے ساتھ آگے جا رہے ہیں۔ راستے میں یہ پہلے اشم سوناواری کے مقام پر ایک تو حضرت خواجہ حسن منطقیؒ کے برادر حضرت اویسیؒ کے نام پر قائم ووسی کھن دیکھیں گے اور اسی جگہ پر قائم کی گئی اس سکیل کا بھی مشاہدہ کریں گے جس سے جہلم میں پانی کی سطح کو

ہر روز ناپا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا اہم پڑاؤ حاجن ہے۔ حاجن میں پہنچ کر یہ جوڑی سب سے پہلے بیسویں صدی کے ایک بلند پایہ کشمیری عالم اور دانشور پروفیسر محی الدین حاجنی کے مزار پر جا کر حاضری دیتے ہیں۔ بلقیس قیصر کو حاجنی صاحب کی زندگی اور کارناموں کے بارے میں مختصر واقفیت دیتی ہے)

ساتواں منظر

بلقیس: اس مزار میں پروفیسر محی الدین حاجنی صاحب دفن ہیں جو ابا جی کے اچھے خاصے دوست تھے۔

قیصر: میں نے سنا ہے کہ حاجنی صاحب عربی کے پروفیسر تھے لیکن سائنس، ریاضی اور باقی علوم پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

بلقیس: حاجنی صاحب ایک اعلیٰ پایہ کے فلسفی اور دانشور تھے۔ انگریزی میں لکھے گئے ان کے مضامین پڑھ کر ان کی فکری وسعتوں کا پتہ چلتا ہے۔

قیصر: عربی میں وہ نہیں لکھتے تھے کیا؟

بلقیس: عربی، اردو اور انگریزی پر مکمل عبور ہونے کے باوجود حاجنی صاحب نے زیادہ تر توجہ کشمیری زبان پر مرکوز کی۔ ان کی تصانیف "مقالات" "کأشر نثر" چ کتاب "لکہٕ رس" "مسدس حالیؔ" "الف لیلیٰ" اور "گریسی سندگرٕ" کشمیری زبان کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ حاجنی صاحب نے کأشر شاعری، کلام اسد پرے، کلیات مولوی صدیق اللہ، شاہنامہ اور دیوانِ وہاب جیسی ضخیم کتابیں ترتیب دی ہیں۔

قیصر: یہ "دیوان وہاب" وہاب پرے صاحب کا دیوان ہے؟

بلقیس: جی ہاں کشمیری زبان کے کشیر الکلام شاعر عبدالوہاب پرے کا تعلق بھی اسی قصبے کے ساتھ ہے۔ انہوں نے فردوسی کے مشہور زمانہ شاہنامہ کا کشمیری ترجمہ

کیا ہے۔ ان کی کئی کتابیں تلف ہونے کے باوجود ان کے پینتالیس ہزار اشعار شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کشمیری زبان کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔

قیصر: یعنی ادب کی روایت یہاں پہلے سے ہی قائم ہے۔

بلقیس: کشمیری زبان وادب کے حوالے سے جب بھی بات ہوگی تو حاجن کا تذکرہ لازمی بن جاتا ہے۔ یہاں ایک فعال ادبی انجمن حلقۂ ادب سوناواری کئی دہائیوں سے سرگرمِ عمل ہے۔ اس انجمن نے بہت اہم کام انجام دیئے ہیں۔

قیصر: اس ادارے کے دفتر پر جائیں؟

بلقیس: بے شک (دونوں کردار حاجنی صاحب کے مقبرے سے نکل جاتے ہیں۔ کیمرا اُن کا اس وقت تک فالو کرتا ہے جب تک وہ فریم سے آؤٹ ہو جاتے ہیں)

آٹھواں منظر

(کیمرا حلقہ ادب سوناواری کی لائبریری کو مختلف زاویوں سے منعکس کرنے کے بعد بلقیس اور قیصر پر رُکتا ہے جو حلقہ ادب کے سکریٹری کے ساتھ محوِ گفتگو ہیں)

سکریٹری: یہ ادارہ 1957ء میں قائم ہوا ہے اس طرح سے یہ ریاستی کلچرل اکیڈیمی کے سمیت یہاں کے تمام تمدنی اور ادبی اداروں میں اولین حیثیت رکھتا ہے۔

بلقیس: واہ کیا بات ہے۔

سکریٹری: اس ادارے کی جانب سے ہم نے علاقہ سوناواری سے وابستہ درجنوں گمنام شعراء کے سوانحی حالات اور کلام شائع کیا ہے۔ ان میں لسہ ڈار مانسو، حاجی عبد العزیز مسکین، رمضان پھوپھ، محمد کھار، رمضان بٹ گستان، مولوی احمد اللہ ہاکباری اور لال محمد خان زخمی صفاپوری جیسے درجنوں شعراء شامل ہیں۔

بلقیس: میں جب پچھلی بار یہاں ابا جی کے ساتھ آئی تھی اُس وقت ہم مولوی صدیق

اللہ حاجنی کے مزار پر بھی گئے تھے۔اُن کی کتاب آپ نے شائع نہیں کی ہے۔

سکریٹری: ان کی زندگی اور کارناموں سے متعلق ہم نے اپنے سالانہ کتابی سلسلہ وُلر کی مَلر کا خصوصی نمبر شائع کیا ہے۔اُن کی شاعری ریاستی کلچرل اکادمی نے مرحوم حاجنی صاحب کی ادارت میں 'کلیات مولوی صدیق اللہ' نام کی کتاب میں شائع کی ہے۔

قیصر :اچھا

سکریٹری :نہ صرف اُن کا کلام بلکہ مشہور صوفی شاعر اسد پرے جن کا تعلق اسی قصبے کے ساتھ تھا، کا کلام بھی حاجنی صاحب کی ادارت میں ریاستی کلچرل اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔

قیصر :اس علاقے کے بارے میں اور کونسی باتیں اہم ہیں؟

سکریٹری: رقبہ اراضی کے لحاظ سے یہ وسیع وعریض علاقہ ہے۔شاید اس اعتبار سے کشمیر کا سب سے بڑا گاؤں جہلم کے بائیں کنارے پر واقع حاجن کی سرحدیں دوسری جانب جھیل وُلر کے ساتھ ملتی ہیں۔کلہن کی راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ للتادتیہ کے دورِ اقتدار میں تین لاکھ فوجی چین سے کشمیر آئے اور یہاں کئی دنوں تک قیام کیا۔محمد یوسف ٹینگ کا خیال ہے یہ فوجی کارواں گریز یا زوجیلا کے راستے سے آکر حاجن میں لنگر انداز ہوا ہوگا کیونکہ اس پورے علاقے میں یہی ایک ایسا گاؤں ہے جہاں اتنے بڑے میدان ہیں کہ تین لاکھ فوجی اور ان کے گھوڑے وغیرہ سما سکتے تھے۔اُنہوں نے اس کی اور بھی ایک دو وجہیں بتائی ہیں۔

قیصر : کیا وجہیں؟

بلقیس :ایک یہ کہ وُلر اور جہلم کے درمیان میں واقع ہونے کے سبب اس گاؤں کے آس پاس آبی ٹرانسپورٹ کے ذرائع دستیاب تھے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اسطبل بڑی تعداد میں موجود تھے اور ٹینگ صاحب کا ماننا ہے کہ چونکہ اسطبل کو فارسی میں ''ہاچہ'' بولتے ہیں اور اِسی وجہ سے اس گاؤں کا نام حاجن پڑا ہے۔

قیصر :اچھا۔
بلقیس :اس اعتبار سے حاجن کی وجہ تسمیہ بھی سامنے آجاتی ہے۔
سکریٹری :بالکل
قیصر :آبادی کتنی ہوگی یہاں کی؟
سکریٹری :بیس ہزار کے قریب۔ اکثر لوگ زمینداری کے پیشے کے ساتھ وابستہ ہیں اور مالی اعتبار سے لوگ متوسط طبقے سے وابستہ ہیں۔ یہاں مال مویشی بھی بڑے پیمانے پر پالے جاتے ہیں۔
بلقیس :تعلیم کی کیا صورتحال ہے؟
سکریٹری :اس تحصیل کے سب سے پرانے ہائر سیکنڈری اسکول سمیت یہاں مختلف درجوں کے تقریباً بیس مدارس ہیں۔ تعلیم کی صورتحال مجموعی طور پر ٹھیک ہی ہے آپ خود گاؤں کے اندر جا کر لوگوں سے ملئے۔
قیصر :ہم ذرا جلدی میں ہیں۔ ہمارے بوٹ مین کے ایک قریبی رشتہ دار کی شادی ہے اور یہاں سے ہمیں وُلر جھیل کو دیکھنے کے لئے جانا ہے۔
سکریٹری :اچھا یہ بات ہے۔
(قیصر اور بلقیس) ہاں تو دیجئے اجازت
سکریٹری: اللہ حافظ ونگہباں
(قیصر سکریٹری کیساتھ ہاتھ ملاتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ منظر اور یہ قسط اختتام کو پہنچتے ہیں)

وتستا کی سیر!

قسط 10

کردارنامہ

عمر	کردار	نمبر
26سال	بلقیس	1
29سال	قیصر	2
45سال	ملاح	3

پہلا منظر

(قیصر اور بلقیس دریاء کے کنارے چلتے ہوئے)

بلقیس : (دریاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ دیکھو وہاں بچے نہا رہے ہیں۔
(کیمرا بچوں کو نہاتے ہوئے فوکس کرے گا)

قیصر :جب میں چھوٹا تھا میں بھی انہیں کی طرح دریا میں نہاتا تھا، تیرتا تھا اور غوطہ بھی لگاتا تھا۔

بلقیس :سو تو میں بھی کرتی تھی۔

قیصر :پگلی کہیں کی، شرم نہیں آتی تھی۔

بلقیس :تب میں بہت چھوٹی تھی۔ مجھے نہیں نا معلوم تھا کہ یہاں عورت زاد کے لئے ایسا کرنا ممنوع ہے اور مردوں کے لئے ہر کوئی چیز جائز قرار دی جاتی ہے۔

قیصر :تم ایک نئی بحث چھیڑنے کے موڈ میں ہو لیکن میں اس وقت صرف وتستا کو دیکھتے ہوئے محظوظ ہونا چاہتا ہوں۔ تمہیں پتہ ہے (دھیمی آواز میں)

بلقیس :کیا؟

قیصر :مجھے وتستا کے ساتھ دوستی ہوگئی ہے۔

بلقیس :ہے! خبردار جو دوبارہ ایسی بات کہی تو۔ وتستا میری سہیلی ہے۔ کوئی بھی رقیب اس کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتا ہے۔ سمجھے۔

قیصر :وتستا پویتر ہے۔ اس کی گہرائیوں اور گیرایوں میں تقدس اور تہذیب کی وسعتیں نظر آتی ہیں۔

بلقیس :وہ دیکھو وہ عورتیں وہاں سے مٹکوں میں پانی بھر رہی ہیں اور پھر ان پانی سے بھرے مٹکوں کو سر پر اُٹھا کر چلی جاتی ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کیوں اس لئے کہ دور دیہات کے لوگ اب بھی یہی پانی پیتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اُن

مخصوص جگہوں، کو کشمیری میں یارہ بل کہتے ہیں، جہاں سے عورتیں پانی لیتی ہیں۔

قیصر :حالانکہ یہ یاروں کی ملنے کی جگہ نہیں ہوتی ہے مگر پھر بھی پتہ نہیں کیوں......؟

بلقیس :(بات کاٹتے ہوئے) وہ اس لئے کہ ایسی جگہوں پر یاروں سے ملا جاتا تھا یہ ملتا کون تھا وہ میں نہیں بتاؤں گی۔

قیصر :کیوں نہیں بتاؤ گی؟

بلقیس :اس لئے کہ ہمیں وُلر جھیل تک پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے۔ اب رمضان چاچا نے بھی رستے میں ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا نا۔

قیصر :بیچارہ کیا کرتا اس کی اکلوتی بیٹی کی منگنی تھی اور تمہیں پتہ ہے اس نے ہمارے لئے ولر جھیل میں کشتی کا انتظام کر رکھا ہے۔ ٹیکسی شکارہ نہیں ہو گی تو کیا ہوا۔ کشتی بہر حال کشتی ہی ہوتی ہے۔

بلقیس :تو ہمیں جلدی وُلر جھیل تک پہنچنا چاہئے۔

قیصر :چلو پھر کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر جلدی سے پہنچ جاتے ہیں۔

بلقیس ولر نام کی اس دیدہ زیب جھیل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ براعظم ایشیا میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔

قیصر :تم مری تڑپ بڑھا رہی ہو، اتنی بڑی جھیل، اتنی خوبصورت جھیل اور میں نے یہ جھیل زندگی بھر نہیں دیکھی ہے کیوں نہ ہم دوڑ کے چلیں اس جھیل کو دیکھنے کے لئے۔

بلقیس :(زور زور سے ہنس کر) دوڑ لگانے سے تم جلدی نہیں پہنچ پاؤ گے، ہمیں ٹانگے میں بیٹھ کر چلنا ہوگا۔

قیصر :واہ کیا بات ہے وہ تو ٹیکسی میں جانے سے زیادہ بہتر رہے گا۔ آیئے میں کسی ٹانگے والے کو روک لیتا ہوں۔

(اسی کے ساتھ یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

دوسرا منظر

(کیمرا ولر کی وسعتوں کو منعکس کرتے ہوئے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا جو ولر کے کنارے پر بیٹھ کر باہمی گفتگو میں محو ہیں)

بلقیس :

ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے

قیصر :جھیل وُلر کی وسعتیں نا قابل یقین ہیں۔ ولر مشرق کی جانب بانڈی پورہ کے پہاڑی علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ مغرب کی جانب سوپور علاقے تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے شمال میں علاقہ سوناواری اور جنوب میں علاقہ زینہ گیر واقع ہے۔

بلقیس :ولر کے ساتھ وتستا کے علاوہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے درجنوں نالے مل جاتے ہیں۔

قیصر :اس جھیل کے چند مقامات نہایت ہی عجیب وغریب ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک جگہ ''موتہ کھون'' یعنی موت کی آغوش کہلاتی ہے۔

بلقیس :یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

قیصر :ہاں ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ میں نے بھی کچھ کچھ سنا ہے اور کچھ کچھ پڑھا بھی ہے۔ یہ دراصل ایک ایسی جگہ ہے جہاں دریائے جہلم میں بہنے والے انسان یا جانور کی لاش پہنچ کر کئی دنوں تک رک جاتی ہے اور پھر ان سڑی ہوئی لاشوں کو خونخوار کتے اور باقی جانور کھاتے ہیں۔

بلقیس :مگر آپ کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہیں؟

قیصر :جیسے تمہیں ویری ناگ، کھنہ بل، بجبہاڑہ، اونتی پورہ، پانپور، سرینگر اور شادی پورہ وغیرہ کے بارے میں اچھی خاصی واقفیت ہے اسی طرح مجھے بھی ولر کے بارے میں تھوڑی ہی صحیح مگر کچھ علمیت ہے۔

بلقیس :وہ کیسے؟

قیصر :وہ اس طرح کہ ولر کے بارے میں لکھی گئی جو کتاب تم نے مجھے کل دی تھی میں نے سب کی سب پڑھ لی۔

بلقیس :کب؟

قیصر :جب تم خواب خرگوش میں مست تھی۔ سنئے آج سے تقریباً 4700 سال قبل ولر کا کہیں نام ونشان ہی نہیں تھا بلکہ اس جگہ پر ایک نہایت ہی خوبصورت شہر سندمت نگر آباد تھا۔ جھیل ولر کے حوالے سے دورِ بڈ شاہی کے مورخین ملا احمد اور پراجہ بھٹ کی لکھی ہوئی چند اور دلچسپ باتیں بھی پڑھ لیں میں نے۔

قیصر :مشہور مورخ کشمیر حسن شاہ کھویہامی یوں لکھتا ہے کہ جب سندمت نگر شہر کے لوگ انتہائی گمراہ ہو گئے تو اُن پر ایک خطرناک آفت آ گئی۔ ہوا یوں کہ ایک شدید زلزلہ آیا۔ عین شہر کے وسط میں زمین پھٹ گئی اور پانی کی نہریں جاری ہو گئیں۔ وتستا کی روانی ایک پہاڑ کا ٹکڑا بیچ میں آ جانے کی وجہ سے کھادنیار کے مقام پر مسدود ہو گئی۔ سندمت نگر کا پورا شہر نیست ونابود ہو گیا۔

بلقیس :تالی بجاتے ہوئے) Very good, Very good بہت اعتماد سے بول رہے ہیں میرے صاحب۔

قیصر :(تقریر کرنے کے انداز میں) خاموش! خاموش سجنو اور دیویو خاموش، جی میں کہنا چاہتا ہوں کہ حسن شاہ کھویہامی اپنی مشہور تاریخ میں لکھتا ہے کہ زلزلہ آنے سے جس جگہ یہ زمین پھٹ گئی وہاں ایک بہت بڑا سوراخ نمودار ہوا سوراخ کو کشمیری زبان میں ''وُل'' کہتے ہیں۔ اس نسبت سے اس جھیل کا نام وُلر پڑ گیا۔

بلقیس :صاحب آپ کو یہ بھی پتہ ہونا چاہئے کہ ولر کے آس پاس رہنے والے کچھ لوگ اس جھیل کو ولر کے بجائے 'بڈ ناگ' کہتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ بڈ ناگ ایک چشمہ ہے جو کہ جھیل وُلر کے بیچ میں واقع ہے۔

قیصر :مشہور مورخ منشی محمد دین فوقؔ جھیل ولر کے ظہور میں آنے کے بارے میں تاریخ

کشمیر میں یوں رقمطراز ہیں (قیصر کتاب کھول کر پڑھنا شروع کرتا ہے)

بلقیس : مجھے پڑھنے دو (کتاب لے کر پڑھتی ہے)

''خاندان پانڈو کے راجگان پہلے پانچ سو برس تک تو بڑے استقلال اور شان سے حکمرانی کرتے رہے۔ آخر 4065 ق م میں راجہ سندیمان کی وفات پر اس کے بیٹوں مرہن دیو اور کامن دیو میں سلطنت کیلئے جھگڑا ہوا اور سلطنت کے دو حصے ہو گئے۔ حصہ بالا مرہن دیو کو ملا اور ''مرہن راج'' کے نام سے مشہور ہوا حصہ پائین کامن دیو کو ملا اور ''کامراج'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی خاندان کا آخری راجہ ''راجہ سندرسین'' جو کامراج علاقے پر راج کرتا تھا، کا دارالحکومت ''سندمت نگر'' تھا اس راجہ کے عہد میں تو لوگ خدا کو بھول ہی گئے تھے اور ہر شخص خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ رعایا لہو ولعب۔ مے نوشی اور زنا کاری میں مشغول ہو گئی باپ بیٹی، بھائی بہن اور جورو خاوند میں کوئی تمیز نہ رہی۔ راجہ اور پرجا دونوں کو شراب خانہ خراب نے دنیا و مافیہا سے غافل کر دیا۔

قیصر : اور نتیجہ وہی نکلا جو میں نے پہلے ہی بتایا۔ (ایک لمحہ کیلئے خاموش رہنے کے بعد) اب میں تم سے اس بات کی وضاحت چاہتا ہوں کہ ولر جھیل کو اس کے پاس پڑوس میں رہنے والے لوگ ''بڈ ناگ'' بھی کہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

بلقیس : یہ غلط العام ہے، اباجی کہتے تھے کہ بڈ ناگ دراصل ایک چشمہ ہے جو ولر جھیل میں واقع ہے۔

قیصر : بہر حال کشمیر کی خوبصورتی کو یہاں کی جھیلیں دوبالا کر دیتی ہیں۔ چاہے وہ ڈل ہو یا مانسبل، آنچار جھیل ہو، نگین جھیل ہو یا جھیل ولر، ہر جھیل خوبصورتی کا ایک نہایت ہی دلچسپ اور دلکش نظارہ پیش کرتی ہے۔

بلقیس : جھیل ولر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سیلاب کے دنوں میں اپنی وسعتوں میں پانی کی ایک کثیر مقدار کو سما لیتی ہے۔ نتیجے کے طور پر بہت سارے دیہات اور قصبے سیلاب سے بچ جاتے ہیں۔

قیصر : ولر جھیل بہت لوگوں کے لئے روزگار کے ذرائع فراہم کرتی ہے۔ کشمیر میں

مچھلیوں کی کل پیداوار کا تقریباً نصف حصہ اسی جھیل سے حاصل ہوتا ہے۔ سرینگر کے شمال مغرب میں 34 کلومیٹر کی دوری پر واقع یہ جھیل تقریباً ہر طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔

بلقیس : یہ جھیل 34.20^0 عرضِ بلد اور 70.40^0 طول بلد پر واقع ہے۔

تیسرا منظر

(کیمرا جھیل وُلر کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے اس کشتی کو فوکس کرتا ہے جس میں قیصر، بلقیس اور کشتی چلانے والا ہے)

قیصر : وہ دیکھو مچھیرا جال پھینک رہا ہے۔ بڑی امید کے ساتھ یہ جال پھینکا جا رہا ہے اور پھر کس کو کیا ملا وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے (اس منظر کو بھی انٹرکٹ تکنیک کے ذریعے منعکس کیا جائے گا)۔

بلقیس : وُلر میں پکڑی گئی مچھلیاں سرینگر، سوپور اور وادیٔ کشمیر کے مختلف قصبوں اور دیہات میں بیچی جاتی ہیں۔

قیصر : وُلر میں ایک اور اہم چیز نہایت ہی وافر مقدار میں ملتی ہے تم بتا سکتی ہو کہ وہ چیز کونسی ہے؟

بلقیس : کیوں نہیں بتا سکتی ہوں۔ یہ بھی کوئی مشکل سوال ہے کیا؟

قیصر : تو پھر بتاؤ نا۔

بلقیس : سنگاڑے۔ جناب سنگاڑے۔

قیصر : ہاں وُلر جھیل کے آس پاس رہنے والے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد جھیل میں پائے جانے والے سنگاڑوں کے ساتھ ہی اپنی تمام تر امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔

بلقیس : یوں کہیئے کہ ان لوگوں کی روٹی روزی کا دارومدار سنگاڑوں کی پیداوار پر ہی ہوتا ہے۔

قیصر :مچھلیوں اور سنگاڑوں کے علاوہ اس جھیل میں اور بہت ساری کارآمد چیزیں پائی جاتی ہیں۔

بلقیس :وُلر جھیل کے بالکل درمیان میں ایک چھوٹا سا جزیرہ واقع ہے جو زینہ لنک کہلاتا ہے۔

قیصر :ہاں اس جزیرے کو کشمیر کے مشہور بادشاہ سلطان زین العابدین نے نہایت ہی شوق و ذوق اور تزک و احتشام سے تعمیر کروایا تھا۔

بلقیس :زینہ لنک کی تعمیر کیلئے غوطہ خوروں کی مدد سے جھیل کے بیچوں بیچ ایک سخت تہہ چن لی گئی۔ اسکے بعد پتھروں اور مٹی سے بھری کشتیوں کو اس جگہ پر ڈبو دیا گیا۔ انہی کشتیوں کی بنیاد پر زینہ لنک تعمیر ہوئی۔

قیصر :اس کا پہلا طبقہ پتھروں، دوسرا اینٹوں اور تیسرا لکڑی سے تیار کرایا گیا۔ جزیرے پر ایک چھوٹی سی مسجد اور مندر بھی تعمیر ہوا۔

بلقیس :تاریخ کو کھنگالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس جزیرے کو تعمیر کرنے کے لئے گجرات سے بھی کاریگر منگوائے گئے تھے۔

قیصر :یہ جزیرہ 95 گز لمبا اور 75 گز چوڑا ہے۔

بلقیس :بیرن چارلس ہوگل نے 1835 میں وُلر کی سیر کے دوران زینہ لنک دیکھنے کے بعد اپنے سفرنامے میں لکھا کہ وُلر کے کنارے سے تھوڑی سی دوری پر ایک جزیرہ ہے جسے لنکا کہتے ہیں یہ جزیرہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کسی زمانے میں کشمیری اس جزیرے کو بطور رسدگاہ استعمال کرتے تھے۔

قیصر :زینہ لنک کے بارے میں زین العابدین کے درباری مورخ جونراج لکھتے ہیں کہ فن تعمیر کے میدان میں سب سے بڑی کامیابی وُلر جھیل کے بیچوں بیچ پتھروں سے بھری کشتیوں کو غرق کرکے ایک جزیرے کی تعمیر تھی۔

بلقیس :لیکن وُلر جھیل میں واقع اس جزیرے کی موجودہ خستہ حالت کو دیکھ کر ایک دم زبان پر آتا ہے کہ ؏

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

قیصر :اب کیا ارادہ ہے؟
بلقیس :سچ پوچھئے تو رمضان چاچا کے بغیر کچھ سونا سونا سا لگتا ہے۔
قیصر :رمضان چاچا ہیں ہی ایک قیمتی اور لاجواب مخلوق۔ ہیں تو ملاح لیکن آواز میں مٹھاس اور جادو۔ گفتگو میں عالمانہ انداز اور آداب میں شرفاء کی وضعداری۔
بلقیس :اسی لئے تو اباجی ان کی بہت قدر کرتے تھے اگر آج ہمارے ساتھ ہوتے تو پتہ ہے کس نظم کے اشعار گاتے:
قیصر :کس نظم کے؟
بلقیس :اکہ نندن کے
قیصر :وہ کیوں؟
بلقیس :روایت ہے کہ مشہور کشمیری لوک کہانی ''اکہ نندن'' غرق شدہ تاریخی شہر سند مت نگر سے وابستہ ہے۔
قیصر :اس نظم کو کشمیر کے ماہر موسیقاروں نے ایک ایسے انداز میں گایا ہے کہ یہ واقعی روحانی غذا کا کام دیتی ہے۔
بلقیس :اکہ نندن کے بارے میں اباجی اکثر کہا کرتے تھے۔
قیصر :یہ لوک کہانی ہے نا؟
بلقیس :یہ ایک کہانی ضرور ہے لیکن اس کہانی کو ادب اور اظہار کے کس خانے میں ڈال دیں وہ سمجھ نہیں آتا ہے۔
قیصر :ایسا کیوں ہے؟
بلقیس :اس لئے کہ یہ کہانی اس قدر فلسفیانہ نوعیت کی ہے کہ لگتا ہے کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی واقعہ ہوگا۔
قیصر :واقعہ کیا ہے؟
بلقیس :مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ راجہ اور رانی اولادِ نرینہ کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک سادھو ان کے صحن میں نمودار ہوتا ہے۔ وہ ان کو بیٹا عطا کرنے کی بشارت اس شرط پر دیتا ہے کہ بڑا ہو کر انہیں بیٹے کو واپس کرنا ہوگا۔

دونوں میاں بیوی خوشی خوشی راضی ہو جاتے ہیں۔

قیصر :اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

بلقیس :اس کے بعد ان کے گھر میں بیٹا پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام ''اکہ نندن'' رکھا جاتا ہے۔ جب اکہ نندن بارہ سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو سادھو پھر ظاہر ہو کر راجہ اور رانی کو وعدہ یاد دلاتا ہے۔ وعدے کا پالن کرتے ہوئے وہ اکہ نندن سادھو کو پیش کرتے ہیں۔ سادھو اس کو ذبح کرتا ہے پھر اُس کی ماں سے اس کا گوشت پکواتے ہیں۔ پھر یہ پکایا ہوا گوشت تقسیم کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ سادھو مہارانی سے اکہ نندن کو آواز دیکر بلانے کا حکم دیتا ہے۔ وہ اسے مذاق سمجھتی ہے لیکن جب وہ تیز لہجے میں حکم کرتا ہے تو وہ اکہ نندن کو پکارتی ہے اور اکہ نندن سامنے حاضر ہو جاتا ہے

قیصر :واہ......کیا کہانی ہے۔

بلقیس :اس کہانی میں وعدہ وفائی اور جذبہ قربانی کا درس ملتا ہے۔ اور کچھ علماء کا خیال ہے کہ یہ واقعہ سندمت نگر جسے لوک ادب کے راویوں نے سلابت نگر بتایا ہے، میں پیش آیا ہے۔

قیصر :اچھا سندمت نگر یعنی وہ شہر جو قبل مسیح میں وُلر کے وجود میں آنے سے پہلے یہاں پر آباد تھا۔

بلقیس :بالکل۔ اس واقعے کو کشمیری زبان کے کئی شعراء نے اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان شعراء میں بہادر گنائی، پرکاش کرک گامی، رمضان بٹ کنتان، علی وانی، محمد کھار وہاب کھار، بسمل کشمیری، صمد میر اور احد زرگر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قیصر : مجھے یاد آ گیا یہ داستان ہم بچپن میں ریڈیو سے سنتے تھے۔ چھکری گانے والے سناتے تھے۔

ملاح :اگر آپ اجازت دیں گے تو میں اس داستان کے گیت سناؤں گا۔

قیصر :ارے واہ......آپ بھی چھپے رستم ہی نکلے۔

بلقیس : بسم اللہ کیجئے بھائی صاحب

ملاح : (گلا صاف کرتے ہوئے)

جوگہِ چھےٚ سوال پر میژُر نیے
متہٕ مارتن اکہٕ ننڈُ نیے
ہیوٚت بٹہٕ نے بڈِ وڈُنیے
متہٕ مارتن اکہٕ ننڈُنیے
اکہ ننڈُن ییٚلہِ ژلہٕ ہلہٕ آو
جوٚگی ڈیشتھ لتس تھرِتھرِ ژاو
ساروےٚ ہیوٚت شور گرُنیے
متہٕ مارتن اکہٕ ننڈُنیے

(ملاح کے گیت کے دوران قیصر اور بلقیس کی Reactions کو بھی انٹر کٹوں Intercuts کے ذریعے منعکس کیا جائے گا۔ گیت کے فیڈ آؤٹ ہونے کے ساتھ ہی یہ قسط اختتام کو پہنچے گی۔

OOO

وتستا کی سیر

قسط 11

کردارنامہ

نمبر	کردار	عمر
1	بلقیس	26سال
2	قیصر	29سال
3	ڈرائیور	30سال
4	شبنم	25سال
5	خوشبو	24سال

پہلا منظر (۱)

(کیمرا زیارت بابا شکور الدین کی جانب جارہی اُس ٹاٹا سوموگاڑی کا فالو کرے گا جس میں بلقیس اور قیصر سوار ہیں، گاڑی میں ان دو کرداروں کے علاوہ ٹاٹا سوموکا ڈرائیور بھی ہے)

قیصر :(نظر باہر کی جانب رکھے ہوئے) کتنے خوبصورت مناظر ہیں۔واہ......

بلقیس :ایک طرف وسیع وُلر جھیل اور دوسری جانب دور دور تک پھیلے ہوئے دھان کے لہلہاتے کھیت۔

قیصر :اکثر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی زیارت گاہیں پہاڑیوں پر واقع ہیں۔

بلقیس :دراصل یہ بزرگ تنہائی میں یادِ خدا کرنا پسند فرماتے تھے۔یہ پہاڑی بھی سچ مچ لاجواب ہے۔

قیصر :اس کا نام تمہیں معلوم نہیں ہے کیا؟

بلقیس :ہاں کیوں نہیں، اس کا اصلی نام شیر کوٹ پہاڑی ہے اور اس علاقہ میں رہنے والے لوگ اسے کرالہ سنگری بھی کہتے ہیں۔

قیصر :کرالہ سنگری!......وہ کیوں؟

بلقیس :شاید وُلر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جب راجہ سندیمان کے دور میں آج کے وُلر کی جگہ پر واقع سندمت نگر کے لوگ بے حد گمراہ ہو گئے تو اُن کی ہدایت کے لئے شخص آ گیا۔وہ سب کے پاس گیا لیکن کسی نے اُس کی ایک بھی نہیں سنی۔پھر اُس نے لوگوں کو قدرت کی طرف سے ایک خطرناک سیلاب کی صورت میں نازل ہونے والے قہر سے آگاہ کرنا چاہا لیکن کسی کو اُس کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔صرف ایک کمہار تھا جس نے اُس پر یقین کر کے اس پہاڑی کا رُخ کیا، اس کے یہاں پہنچنے کے بعد ہی

ایک بڑا سیلاب آیا۔ سند مت نگر کا پورا شہر ڈوب...... کمہار کے بغیر باقی سب ڈوب گئے۔ چونکہ کمہار اسی چوٹی پر آکر بچ گیا۔ اسی لئے اس کا نام "کرالہ سنگری" رکھا گیا۔

قیصر :وہ اس لئے کہ کمہار کو کشمیری میں "کرال" اور "چوٹی" کو سنگری کہتے ہیں۔ ہے نا؟

بلقیس :بالکل صحیح کہا آپ نے۔

(گاڑی رک جاتی ہے اور ڈرائیور قیصر اور بلقیس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

ڈرائیور :جی ہم پہنچ گئے۔

(بلقیس اور قیصر گاڑی سے نیچے اترتے ہیں اور منظر بدل جاتا ہے)

دوسرا منظر

(کیمرا بابا شکورالدین کی زیارت گاہ کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے زیارت گاہ کے سامنے کھڑا بلقیس اور قیصر پر فوکس ہو گا)

بلقیس :یہ ریشی سلسلے سے وابستہ کشمیر کی مشہور و معروف روحانی شخصیت بابا شکورالدین ریشیؒ کی زیارت شریف ہے۔

قیصر :بابا شکورالدین ریشیؒ کے بارے میں کچھ بتایئے۔

بلقیس :بابا شکورالدین ریشیؒ پانچھ ہامہ پرگنہ کے آرت گاؤں کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں موجودہ بڈگام تحصیل میں واقع ہے۔ بابا شکورالدینؒ بابا زین ریشیؒ کے خلیفوں میں اولین حیثیت رکھتے تھے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ بابا زین ریشیؒ کی زیارت گاہ کہاں پر واقع ہے؟

قیصر :عیش مقام............

بلقیس :(تالی بجاتے ہوئے) بالکل درست۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے مرشد کی ہدایت پر بابا شکورالدین ریشیؒ کھوئیہامہ پرگنہ میں واقع شنگہ پال پہاڑ پر بارہ سال تک

ریاضت کرتے رہے۔

قیصر :بارہ سال تک اور وہ بھی پہاڑ پر!

بلقیس :بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے۔ اس کے بعد ریاضت کیلئے انہوں نے شیرکوٹ کی یہ پہاڑی چن لی اور یہاں ایک گپھا میں سالہا سال تک یادِ حق کرتے رہے۔

قیصر :وہ گپھا موجود ہے کیا؟

بلقیس :نہیں۔ جب 1974ء میں زیارت گاہ کو وسعت دیتے ہوئے تجدید تعمیر کا کام ہاتھ میں لیا گیا تو وہ عمارت توسیع شدہ حصے کے نیچے آ گئی۔ یہاں ایک دلچسپ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ بابا شکور الدین ریشیؒ نے وصیت کی تھی کہ انہیں اسی گپھا میں دفنایا جائے۔

قیصر :پھر کیا ہوا؟

بلقیس :ان کے رحمتِ حق ہونے کے بعد چند وجوہات کی بناء پر گپھا میں دفن نہیں کیا جا سکا لیکن گپھا کے ساتھ ہی ان کی آرام گاہ کا انتخاب کیا گیا۔

قیصر :وہ جگہ کہاں پر ہے؟

بلقیس :بالکل ہمارے سامنے۔ آپ روضۂ شریف کو نہیں دیکھ رہے ہیں کیا؟ یہی وہ جگہ ہے۔

قیصر :اچھا! اس روضۂ شریف کی تعمیر کب ہوئی ہے؟

بلقیس :ظاہر ہے کہ ابتدائی تعمیر بابا شکور الدین صاحبؒ کے انتقال کے وقت ہی کی گئی ہوگی لیکن ان کے بعد وقت وقت پر اس زیارت شریف کی تعمیر میں جدت لانے کی کوششیں کی گئیں۔ ریاست کے ایک سابقہ وزیرِ اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق کے دورِ حکومت (1964-71) میں یہاں تک بجلی بھی پہنچائی گئی اور پانی بھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس پختہ سڑک سے ہم برابر یہاں تک گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے پہنچ گئے وہ بھی ان کے دور میں ہی تعمیر کی گئی ہے۔

قیصر :اس سے پہلے یہاں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا کیا؟

بلقیس :اس سے پہلے پانی کا انتظام کچھ اس طرح سے کیا جاتا تھا کہ یہاں پر بڑے بڑے برتن رکھے گئے تھے اور عقیدت مند زینہ گیر نہر یا وُلر سے پانی مشکوں اور مٹکوں میں بھر کر اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر یہاں تک لاتے تھے۔ اُس پانی کو زائرین وضوو غیرہ کیلئے استعمال کرتے تھے۔

قیصر :واہ واہ...... اسی کو کہتے ہیں سچی عقیدتمندی...... سبحان اللہ۔ اس زیارت شریف کی تعمیر بھی خاصی دلکش اور پر کشش ہے۔

بلقیس :واقعی یہاں کی ایک ایک چیز قابل دید ہے۔ زیارت کے جنوب مغربی کونے میں تعمیر شدہ مسجد شریف کے مغرب میں جو نقش دار لکڑی کی بنی ہوئی ڈیوڑی ہے وہ بابا پیام الدین، جن کی زیارت گاہ گلمرگ کے نیچے واقع ہے، نے ان کو تحفے کے طور پر بھیج دی تھی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اُس ڈیوڑی سے آپ دیکھ لیں گے تو یہاں سے بابا پیام الدین ریشیؒ کا آستانِ عالیہ صاف دکھائی دیتا ہے۔

قیصر :واہ واہ...... میں نے یہاں نچلے طبقے میں لنگر بھی دیکھا اور مسافر خانہ بھی۔

بلقیس :ہاں مسافر خانے کے نیچے ایک اہم بزرگ ریگی ریشیؒ کا مزار ہے۔

قیصر :اچھا؟

بلقیس :اور کیا بلکہ وُلر جھیل کی جانب ایک اور ریشی روپی ریشیؒ کا مدفن بھی موجود ہے۔

قیصر : زیارت کی تعمیر میں ختم بند اور محرابی کھڑکیوں اور پنجرہ دار روشن دانوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

بلقیس :یہ چیزیں تو یہاں کی زیارت گاہوں میں اکثر دکھتی ہیں لیکن کچھ اور دلچسپ باتیں اس زیارت شریف کے حوالے سے میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔

قیصر :بتاؤ نا۔

بلقیس :اس زیارت گاہ کے ارد گرد رہنے والے بزرگوں کا کہنا ہے کہ 1947 تک کبھی کبھار یہاں سے ایک زوردار توپ نکلتی تھی جو کسی بڑی سے بڑی ناگہانی آفت کی علامت ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی یہ توپ اتنی زوردار اور گرج

دار ہوتی تھی کہ اس کے زور سے زیارت گاہ کی پنجرہ والی کھڑکیاں وُلر میں چلی جاتی تھیں۔

قیصر : یہ تو بڑی زبردست بات ہے۔

بلقیس : اور کیا

قیصر : بہت اچھی صلاح دی تم نے یہاں آنے کی۔ بہت بہت شکریہ۔

(بلقیس ہنستی ہے اور یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

تیسرا منظر

(کیمرا ہتھ لنگو کے مقام پر واقع کشمیر کے مشہور قلندر حبہ صاحب ہتھ لنگو کی زیارت گاہ کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے زیارت گاہ کے سامنے دست بدعا قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا)

بلقیس حبہ صاحب ہتھ لنگو بیسویں صدی کے قلندروں میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ آپ ایک متوسط درجے کے کسان گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن سے ہی راست باز اور نماز پنجگانہ کے پابند تھے۔ کہتے ہیں کہ جب زینہ گیر نہر کھودی جارہی تھی تو آپ باقی مزدوروں کے ساتھ یہ نہر کھودنے کے کام میں مصروف تھے۔ کھدائی کے دوران بیچ میں ایک بہت بڑا پتھر آیا جس کو توڑنے کیلئے بارود کا استعمال کرنا تھا اور بارود ڈالنے کے لئے اس بڑے سے پتھر کے اوپر ایک سوراخ بنانا تھا۔ حبہ صاحب اسی کام پر مامور تھے۔ اسی دوران وُلر جھیل میں ایک ملاح ناؤ چلاتے ہوئے پُردرد آواز میں یہ شعر گارہا تھا۔

سودا نۂ دأنی
نمہٕ نمتھ چھِ سودلتہٕ
وأنی ناو
ژرے کمیو، کوٗرنے

حبہ صاحب پر اس شعر کا اتنا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اتنے کہ جو سوراخ اُنہوں نے پتھر میں بنادیا تھا وہ اُن کے آنسوؤں سے بھر

گیا۔ اس کے بعد وہ ایک دم بھاگ نکلے اور عشق و عرفان کی پراسرار دُنیا میں داخل ہو کر ایسے کرامات کر کے دکھا دیئے کہ لوگ ششدر رہ گئے۔ (رُک کر) آپ کچھ بولتے ہی نہیں ہیں۔ کس سوچ میں پڑ گئے؟

قیصر : کچھ نہیں۔ مجھے تم پر فخر ہو رہا ہے۔ اتنا فخر کہ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی ہو۔

بلقیس : اچھا یہ فخر کیوں ہو رہا ہے۔ ذرا مجھے بھی سمجھا دیجئے۔

قیصر : اسلئے کہ تم کہاں کہاں پہنچ گئی ہو۔ کن کن ہستیوں، علاقہ جات اور دیگر معاملات میں تم نے واقفیت حاصل کی ہے۔ It is really amazing

چوتھا منظر

(کیمرا ٹاٹا سومو کو دور تک فالو کرے گا۔ اس کے بعد سومو میں سوار بلقیس اور قیصر کی باہمی گفتگو کو منعکس کیا جائے گا)

قیصر : ہم کہاں پہنچ گئے؟

بلقیس : ہم سوپور کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ بانڈی پورہ سے سوپور آتے ہوئے مجھے ایک بات کا شدت سے احساس ہونے لگا۔

قیصر : بھلا کس بات کا

بلقیس : اس بات کا کہ لوگ بلا سوچے سمجھے میوے کے باغات اور پیداواری زمین کا صفایا کر کے ہر جگہ مکان وغیرہ تعمیر کرتے ہیں۔ اگر سلسلہ اسی تیز رفتاری سے چلتا رہا تو آئندہ چند برسوں کے بعد یہاں پیداواری زمین کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔ پھر لوگ ان مکانوں کو کھائیں گے کیا؟

قیصر : یہ واقعی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے حالانکہ اس کے لئے باضابطہ قوانین بنے ہیں، جن کی رو سے ایسا کرنا بہت بڑا جرم ہے لیکن لوگ پھر بھی اندھی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔

بلقیس : یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ خیر ہم سوپور پہنچ گئے۔

پانچواں منظر

(کیمرا سوپور کے بازار کو مختلف زاویوں سے منعکس کرے گا اس دوران پس منظر میں مدھم موسیقی چلے گی۔ مختلف مناظر کو اُجاگر کرنے کے بعد کیمرا سوپور کے نئے پل کے متصل کھڑے قیصر اور بلقیس پر فوکس ہوگا جو آپس میں گفتگو کر رہے ہیں)

بلقیس :سوپور سرینگر سے 52 کلو میٹر کی دوری پر واقع شمالی کشمیر کا مشہور و معروف قصبہ ہے۔ اسے ایپل ٹاؤن Apple Town کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

قیصر :وہ کیوں؟

بلقیس :وہ اس لئے کہ اس کے گرد و نواح کے اکثر دیہات میں سیب کی اچھی خاصی پیداوار ہوتی ہے۔ یہاں نزدیک ہی ایک بڑی فروٹ منڈی بھی ہے اور اس علاقے کے بہت سارے لوگ اس صنعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

قیصر :بڑی اچھی بات ہے۔ یہ قصبہ کس بادشاہ کا بسایا ہوا ہے؟

بلقیس :اس قصبے کو راجہ للتادتیہ کے دانا وزیر اور درباری انجینئر حکیم سیا کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔

قیصر :اچھا حکیم سُیا کا پہلے بھی ذکر آیا تھا۔

بلقیس :ہاں نویں صدی کے دوران جب کشمیری لوگ روز روز کے سیلابوں سے تنگ آ چکے تھے تو حکیم سیا نے اپنی عقل و دانست کا استعمال کر کے دریا میں سکے پھینکوا دیئے چونکہ لوگ بہت غریب ہو چکے تھے، اُنہوں نے جان کی بازیاں لگا کر دریا کی نچلی سطح سے مٹی اور ریت اُٹھا کر کناروں پر پھینک دی تا کہ کہیں سے کوئی سکہ مل جائے۔

قیصر :یہ واقعہ تو میں سن چکا ہوں۔ گویا سوپور کو حکیم سُیا نے اپنے نام پر بسایا ہے۔

بلقیس :بالکل۔سوپور کے بارے میں بہت کم لوگ یہ جانتے ہوں گے کہ یہاں کئی بار مقابلہ آرائیاں ہوئی ہیں۔

قیصر :میں سمجھا نہیں!

بلقیس :شہمیر ی دور میں کشمیر کے مشہور ومعروف سلطان، سلطان زین العابدین بڈشاہ اور اُس کے فرزند آدم خان کے درمیان پندرہویں صدی عیسوی کے دوران سوپور میں ہی مقابلہ آرائی ہوئی۔شمس الدین ثانی کے دور اقتدار میں قاضی چک نے ماگرے خاندان کو اسی قصبے میں شکست دی۔مشہور چک حکمران یوسف شاہ چک اور لوہر چک کے درمیان بھی یہیں پر مقابلہ ہوا۔

قیصر :یہ تو بڑی دلچسپ باتیں ہیں۔

بلقیس :اس سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ شہنشاہ اکبر نے کشمیر کو فتح کرنے کے بعد اس خطے کے جن علاقوں کی سیر کی ان میں سوپور بھی شامل ہے اور ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ عصر حاضر میں بھی سوپور تلاطم خیز رہا۔1945 عیسوی میں جب برصغیر میں تحریک آزادی عروج پر تھی اس قصبے میں نیشنل کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس ہوا جس میں پنڈت نہرو، اندرا گاندھی اور عبدالغفار خان نے شرکت کی۔سوپور کا قصبہ 1990 میں شروع ہوئی عسکری تحریک کے دوران بھی زبردست ہنگامہ خیز رہا۔اس قصبے کا بڑا بازار بھی ایک بار آگ کی زد میں آکر خاکستر ہو گیا۔

قیصر :روایتی تعمیرات کے طور پر یہاں کونسی جگہیں قابل دید ہیں؟

بلقیس :تاریخ کے آئینے میں قصبہ سوپور کی ایک خوبصورت تصویر آنکھوں کے سامنے اُبھرتی ہے شاید اسی بنیاد پر مشہور مورخ کلہن نے اس قصبے کو دوسری جنت کہا ہے تاہم زمانے کے حوادثات اور حالات نے ماضی کے تمام نقوش مٹا دیئے ہیں ورنہ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان حسن شاہ نے اس قصبے میں ایک محل خانہ تعمیر کیا تھا۔اسی طرح افغان گورنر عطا محمد خان برق ذی نے بھی یہاں اچھی خاصی تعمیرات بنوائی تھیں۔سوپور قصبے میں اس وقت دریائے جہلم

پر دو پل ہیں۔ ایک یہ جہاں ہم کھڑے ہیں اور دوسرا وہ جو یہاں سے اچھی طرح سے دکھائی دیتا ہے۔

قیصر :اس قصبے میں زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ آباد ہوں گے؟

بلقیس :سوپور میں رہنے والے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد سرکاری نوکری کے پیشے سے بھی منسلک ہے تاہم زیادہ تر لوگوں کا پیشہ تجارت ہی ہے۔

قیصر :میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک بہت پرانا ڈگری کالج بھی ہے۔

بلقیس :بالکل صحیح سنا ہے آپ نے۔ اس پرانے ڈگری کالج کے علاوہ یہاں ایک زنانہ کالج، ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ، ایک لاء کالج، کئی بی ایڈ کالج، کئی ہائر سیکنڈری اسکول اور بہت سے مڈل اور پرائمری اسکول قائم ہیں۔

قیصر :یعنی مجموعی طور پر تعلیم کی صورتحال اطمینان بخش ہے۔

بلقیس :بالکل اطمینان بخش۔

قیصر :اس قصبے نے کئی اہم شخصیات بھی پیدا کی ہوں گی؟

بلقیس :قصبہ سوپور نے کشمیری زبان کے ہر دلعزیز صوفی شاعر رحیم صاحب سوپور کو پیدا کیا ہے۔

قیصر :واہ...... کیوں نہ ہم اُن کے مقبرے پر جا کر فاتحہ پڑھ لیں۔

بلقیس :نیک تجویز ہے۔ آیئے چلتے ہیں۔

(کیمرا دور تک ان دونوں کرداروں کو فالو کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ منظر اختتام کو پہنچے گا)

چھٹا منظر

(کیمرا رحیم صاحب کے مقبرے کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے مقبرے کی ایک جانب کھڑے فاتحہ پڑھتے ہوئے قیصر اور بلقیس پر فوکس

ہوگا۔ یہ دونوں فاتحہ خوانی کر کے رحیم صاحب کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں)

قیصر :رحیم صاحب کا تعلق کس زمانے کے ساتھ ہے؟

بلقیس :تازہ تحقیق کے مطابق رحیم صاحب کی ولادت 1191ھ بمطابق 1775ء قصبہ سوپور میں عبدالرحمٰن شاہ کے گھر میں ہوئی ہے۔ 75 برس کی عمر پا کر یعنی 1850ء میں اس قصبے میں انتقال کر گئے۔

قیصر :رحیم صاحب کے لکھے نغمے کشمیر کے اکثر گانے والے گاتے ہیں۔

بلقیس :اس شاعر کا کلام کشمیری زبان کی صوفی شاعری میں ایک الگ اسلوب اور انداز رکھتا ہے۔ پروفیسر رحمان راہی نے ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا پورا کلام سوز و ساز کا پیکر ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ مرد قلندر آج بھی کشمیریوں کے دلوں میں راج کر رہا ہے۔

قیصر :یہی ہے زندگی۔ سوپور قصبے کے بڑے بڑے رئیس اور سرمایہ دار بھی پیدا کئے ہوں گے۔ لیکن کون جانتا ہے اُن کو اب۔ یہ شاعر اور تخلیق کار کبھی مرتے نہیں

بلقیس :قصبہ سوپور نے چند اور شاعر اور سخنور بھی پیدا کر دیئے ہیں جن میں پیر غلام محمد حنفی سوپوری اور محی الدین گوہر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حنفی صاحب ایک بہت بڑے عالم دین اور شاعر رہے ہیں اور انہوں نے کشمیری زبان میں قرآن شریف کی تفسیر بھی لکھی تھی۔

قیصر :سبحان اللہ.....محی الدین گوہر صاحب کون تھے؟

بلقیس :گوہر صاحب تو دور حاضر کے شاعر ہیں۔ انہوں نے جدید کشمیری شاعری میں اپنی الگ پہچان بنائی تھی اور ان کو رکھ نام کے شعری مجموعہ کے لئے بعد از مرگ ساہتیہ اکیڈیمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

قیصر :میرے خیال میں ملک بھر میں مشہور موسیقار اور سنطور نواز پنڈت بھجن سوپور بھی سوپور کے ہی ہیں؟

بلقیس :بالکل۔ ان کے والد پنڈت سمبھو ناتھ سوپور، جو خود بھی ایک اعلیٰ پایہ کے

موسیقار ہیں، اسی قصبے میں رہتے تھے۔

قیصر :غرض سوپور نے زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ تعلق رکھنے والی اعلیٰ شخصیات کو پیدا کیا۔

بلقیس :ہاں، میدانِ سیاست میں صوفی محمد اکبر جیسی شخصیت، تعلیمی شعبے میں پروفیسر غلام رسول بچہ اور سیف الدین سیفی جیسی شخصیات کو قصبہ سوپور نے جنم دیا ہے۔

قیصر :بہرحال سچ مچ کشمیر کا ذرہ ذرہ ہر اعتبار سے زرخیز ہے۔ میرے خیال میں اب چلیں۔ بارہمولہ کی جانب بڑھنا ہے نا۔

بلقیس :چلئے۔

(دونوں چلتے ہیں۔ ان کے فریم آؤٹ ہونے کے ساتھ ہی یہ منظر اختتام کو پہنچتا ہے)

چھٹا منظر

(کیمرا دریائے جہلم کو مختلف زاویوں سے منعکس کرتے ہوئے دریا کے بیچوں بیچ چلنے والی اُس کشتی پر مرکوز ہوتا ہے جس میں قیصر اور بلقیس بیٹھے ہیں اور ملاح چپو چلا رہا ہے۔ پس منظر میں ''وتھ آیہ مہرنی سوئیے'' والا نغمہ بج رہا ہے)

ساتواں منظر

(شبنم اور خوشبو دریا کے کنارے دوڑ کر آرہی ہیں اور بلقیس کو پکارنے لگتی ہیں)

خوشبو :بلقیس...... پتہ نہیں وہی لوگ ہیں کہ

شبنم :بالکل وہی ہیں لیکن سن نہیں رہے ہیں۔ (پکارتے ہوئے) بلقیس......

(انٹرکٹوں کے ذریعے کشتی اور کنارے کے مناظر کو پیش کیا جائے گا)

قیصر :کوئی پکار رہا ہے۔
بلقیس :ہاں (نظر کنارے کی طرف دوڑاتے ہوئے)
شاید خوشبو اور شبنم ہیں۔
خوشبو :بلقیس ذرا کشتی کو کنارے کی طرف لے آؤ۔
بلقیس :(ملاح کی طرف) کشتی ساحل کی طرف لے جاؤ۔ پتہ نہیں کہ کیا ہوا ہے؟
(ملاح کشتی کو ساحل ک طرف لے آتا ہے اور اس دوران انٹرکٹوں کے ذریعے سبھی کرداروں کا ملاجلا ردعمل منعکس کیا جائے گا۔ اس کے بعد کشتی ساحل پر لگ جاتی ہے۔ بلقیس، خوشبو اور شبنم سے گلے ملتی ہے)
بلقیس : کیوں کیا ہوں؟...... تم کیوں گھبرائی ہوئی ہو؟
خوشبو :غضب ہوا
بلقیس :اللہ بچائے۔ آخر ہوا کیا؟
شبنم :جہلم میں پانی کی کمی کی وجہ سے خودغرض پاگل ہوتے جا رہے ہیں۔
بلقیس :میں سمجھی نہیں۔
خوشبو :پانی کی سطح کم ہونے کے باعث لفٹ اری گیشن پمپ تک پانی پہنچ نہیں پاتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ شالی کے کھیت سوکھنے کا ڈر ہے۔
بلقیس :اچھا...... پھر...... پھر کیا ہوا؟
خوشبو :خودغرض لوگ پانی کے بہاؤ کو روکنے کے لئے بیچ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ رواں وتستا کے بیچ میں باندھ باندھے جا رہے ہیں۔
بلقیس :یہ تو سراسر پاگل پن ہے لیکن گھبرانے کی پھر کوئی بات نہیں ہے۔
شبنم :گھبرانے کی بات کیوں نہیں، میرے خیال میں یہ تاریخ میں پہلی بار ہو رہا ہے۔
بلقیس :وہ تو سچ ہے لیکن......
خوشبو :لیکن تسکین کچھ نہیں ہے۔ آپ اس سیر کو یہیں پر ختم کر کے ہمارے ساتھ چلئے ہمیں اس سلسلے میں عوام کو بیدار کرنا ہوگا۔ وتستا کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی

ضرورت ہے۔

بلقیس :ایک بات آپ سبھوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا میں آپ کسی کا بھی راستہ روک سکتے ہیں لیکن پانی کا نہیں۔ یہ اپنا راستہ خود بنالیتا ہے اور بنا کے ہی رہتا ہے۔

خوشبو :وہ تو ٹھیک ہے لیکن......

قیصر :لیکن ہمیں چلنا چاہیے اور ایک باقاعدہ مہم کا آغاز کر کے لوگوں کو جہلم کی اہمیت سے آگاہ کرنا چاہیے (قیصر دونوں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے)

قیصر :آگے چلئے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہیں۔

(سبھی کردار ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگتے ہیں اور اسی کے ساتھ یہی دستاویزی ڈرامہ اختتام کو پہنچتا ہے)